مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی

غیر مجلد	محصول
۲	۲

شمعِ ہدایت۔ سب کے لیے۔ بچیوں سے دو دو باتیں

قیمت ۱۲ر محصول ۵ر　　قیمت عہ محصول ۴ر

مثنویِ دردِ دل۔ سچا اور دردناک واقعہ قیمت ۸ر ۳ر عزم بالجزم۔ ارادے پر ایک دل چسپ قصّہ قیمت ۴ر محصول ۲ر۔ دیوانِ بشیر مع مصنف کے فوٹو اور (۲۲) دل چسپ نظموں کے۔ قیمت عہ۔ مجلّد ۶ر محصول ۵ر۔

انشائے بشیر۔ جس میں نہایت بکار آمد نثر خطوط ہیں عورتوں کے لیئے مفید

قیمت ۱۲ر مجلّد ۶ر محصول ۸ر۔

تاریخِ بیجاپور۔ (دکن کی مکمّل تاریخ) مع (۷۰) فوٹو ۳ حصّے

قیمت ۵ مجلّد ۵ محصول ۱۲ر

تاریخِ دہلی۔ تین حصّے۔ قدیم زمانے سے آج تک کی تاریخ قابلِ دید فوٹو (۹) عمارتوں کے قلمی نقشے ۲۰۹ قیمت ۵ مجلّد ۸ر محصول ۶ر۔ لطائفِ عجیبیہ حصّہ اول و دوم و سوم فی حصّہ قیمت عہ حکایاتِ لطیفہ تین حصّوں میں فی حصّہ قیمت عہ لطائفِ عجیبہ اور حکایاتِ لطیفہ کے پورا سٹ خریدنے والوں کو فی سٹ ۶ر کم۔

مجموعۂ فرامینِ شاہی۔ (زیرِ طبع) یہ شاہانِ مغلیہ کے نایاب اور نادر فرامین کا مجموعہ ہے جس میں فرامین کے عکسی فوٹو بھی شامل ہوں گے قیمت عہ ۵ تمثیل الامثال۔ (زیرِ طبع) محاورات مثلوں چیستانوں۔ دوہوں کی نہایت شرح و مبسوط لغت دو جلدوں میں تخمینی قیمت ۵ یا ۶

بشیر الدین احمد تعلقہ دار۔ کھاری باؤلی۔ دہلی

نوٹ۔ جلدیں بہت خوب صورت اور نفیس سنہری چھپے کی ہیں

نام کتاب	غیر مجلد	محصول
۲	۳	۴
...ھادی الصرف - صرفِ عربی کی بہترین گرامر اردو میں تقطیع ۲۲×۲۹ صہ ۷۸	۱۳/	۴/
...لیکچروں کا مجموعہ۔ دو جلدوں میں تقطیع ۲۰×۲۶ صہ ۱۹۱ جس میں (۴۴) لیکچر ہیں۔ دونوں جلد	صہ	۱۴/
مطالب القرآن - قرآن شریف کی تفسیر کا پہلا حصہ جتنا لکھا جا چکا چھاپ دیا گیا۔ تقطیع ۲۲×۲۹ صہ ۱۴۸	عہ	۵/
امہات الامہ - ازواج مطہرات کے حالات (زیر طبع)	عہ	۵/

میری ناچیز تصانیف

...لہن - حسنِ معاشرت - اصلاحِ معیشت - نختِ جگر دو حصے - فغانِ اشرف

/ عہ مجلد ع ۵/ عہ مجلد عہ ۵/ عہ مجلد للعہ ۱/ عہ ۵/

...ب ۱۸×۲۲ تقطیع کی ہیں مراۃ العروس کے طرز کی ہر عمر کی عورتوں کے لیے

...ایت نمبر ۳ و ۴ و ۵ پر گورنمنٹ سے انعام بھی ملا ہے۔

...یک کرداری کی کتابیں - حرزِ طفلاں بچوں کے لیے - نشاطِ عمر جوانوں کے لیے

قیمت عہ محصول ۴/ عہ ۵/

...ئے پیری - عمر رسیدہ لوگوں کے لیے

قیمت عہ محصول ۴/

نمبر شمار	نام کتاب	غیر مجلد	محصول
۱	۲	۳	۴
	مرآۃ العروس ـ بنات النعش ـ توبۃ النصوح یہ تینوں کتابیں اس کثرت سے مروج ہیں کہ کسی مزید تقریب کی ضرورت نہیں ـ بازار میں کثرت سے سستی قیمت پر ملتی ہیں مگر خط اچھا نہ کاغذ اچھا ـ ہمارے خاص اہتمام اور نگرانی سے چھپوائی ہوئی کاغذ عمدہ لکھائی چھپائی دیدہ زیب اور فٹ نوٹ میں تمام الفاظ کے معانی فی جلد عہ تقطیع ۲۰x۲۶ صفحات علی الترتیب ۱۸۶ ـ ۱۵۰ ـ ۱۸۸	عہ	۵ر
۱۴	محصنات ـ تقطیع ۲۰x۲۶ صہ ۲۱۲ تعداد ازدواج کے روح فرسا نتائج	عمہ	۵ر
۱۵	ایامیٰ ـ بیواؤں کی دردناک حالت کا فوٹو تقطیع ۲۰x۲۶ صہ ۲۱۲	عمہ	۵ر
۱۶	رویائے صادقہ تقطیع ۲۰x۲۶ صہ ۲۱۰ مختلف مذاہب کا مقابلہ اسلام سے	عمہ	۵ر
۱۷	ابن الوقت ـ تقطیع ۲۰x۲۶ صہ ۲۰۶ انگریزی وضع کی کورانہ تقلید کے تباہ کن نتائج	عمہ	۵ر
۱۸	موعظۂ حسنہ ـ مولانا کے اصلی نصیحت آمیز خطوط اپنے فرزند کے نام تقطیع ۲۰x۲۶ صہ ۱۴۲	عمہ	۵ر
۱۹	منتخب الحکایات ـ بچوں کے لیے چھوٹی چھوٹی دلچسپ نتیجہ خیز کہانیاں تقطیع ۲۰x۲۶ صہ ۹۰	۸ر	۳ر
۲۰	چند پند ـ مفید و نصیحت آمیز مختلف مضامین کا مجموعہ بچوں کے لیے تقطیع ۲۰x۲۶ صہ ۷۲	۸ر	۳ر
۲۱	صرفِ صغیر ـ اردو زبان میں فارسی گرامر تقطیع ۲۰x۲۶ صہ ۴۳	۶ر	۳ر
۲۲	نصابِ خسرو ـ جدید طرز کی خالق باری تقطیع ۲۰x۲۶ صہ ۲۸	۶ر	۳ر
۲۳	رسم الخط ـ املا نویسی کے قواعد لڑکوں کے لیے بہت ضروری ـ تقطیع ۲۰x۲۶ صہ ۳۲	۶ر	۳ر
۲۴	مبادی الحکمت سلیس اردو میں عربی منطق کے قواعد تقطیع ۲۰x۲۶ صہ ۱۳۲	عہ	۴ر

نمبر	نام کتاب	غیر مجلد	مجلد	محصول
۱	۲	۳	۴	۵
	صفحہ مقابل پر ترجمہ۔ حاشیہ پر حل لغات عربی کاغذ حنائی اور سفید دو قسم کا ہے۔ کاغذ سفید صمہ کاغذ حنائی دبیز للعہ	صمہ و للعہ	ہے ۸ صمہ	عہ/
۴	حمائل شریف۔ ترجمہ بین السطور سطور پر حنائی رنگ تقطیع ۲۲×۱۷ صفحہ ۱۰۲۴ مع فہرست مضامین و فرہنگ لغات اردو سفر میں ساتھ رکھنے کے قابل ہے	للعہ	صمہ	۸/
۵	دہ سورہ فی احسن الصورۃ۔ مترجم پنج سورہ کی جگہ یہ دہ سورہ ہے وظیفہ پڑھنے والوں کے لئے بہت ضروری تقطیع ۲۲×۱۶ صفحہ ۱۴۴	۱۰/	•	۳/
۶	ادعیۃ القرآن۔ قرآن شریف کی ساری دعائیں مع ترجمہ و خواص تقطیع ۱۶×۲۲ صفحہ ۱۰ کا ٹیٹل سادہ ۱۰/ رنگین ۱۲/	۱۰/ ۱۲/	•	۳/
۷	الحقوق والفرائض تقطیع ۲۲×۲۹ صفحہ ۱۰۲۶ مذہب اسلام کے سارے مسائل کا مجموعہ قرآن شریف کی آیات اور احادیث کے ترجمہ کے ساتھ ہر مسلمان کے گھر میں جو مذہب سے واقفیت رکھنا چاہتا ہو اس مفید کتاب کا ہونا لازمات سے ہے حصہ اول عہ/ حصہ دوم ۱۲/ حصہ سوم عہ/ پورا سٹ	صمہ		۴/
۸	اجتہاد۔ تقطیع ۲۲×۲۹ صفحہ ۱۴۲ اسلام کی حقانیت کا دلائل و براہین قاطعہ سے اثبات جو مسلمان اپنے عقیدے میں پکا ہونا چاہتے ہیں وہ اس کتاب کو ضرور دیکھیں	عہ		۵/
۹	حیات النذیر۔ مولانا کی مفصل سوانح عمری مع فوٹو اور دو عکسی خطوط کے تقطیع ۲۲×۲۹ صفحہ ۴۷۶	سے/	•	۱۱/
۱۰	نظم بے نظیر۔ تقطیع ۲۰×۲۶ صفحہ ۲۰۶ مولانا کی کل نظموں کا مجموعہ بہ صراحت اس امر کے کہ کہاں اور کس موقع پر پڑھی گئی۔	عہ	•	۵/

حاصل نہ کریں اور لطف نہ اُٹھائیں تو اُن کو تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا
ہاں ناقدری زمانہ کی شکایت کروں تو بجا ہے۔ ~

ہے آبروئے سخن کی سخن سنج کے حضور* آگاہ لطفِ شعر سے ہیں صاحبِ شعور
روشن کلیم پر ہے فروغِ چراغ طور* دونا ہے آئینے میں رخِ مہوشاں کا نور

نیساں گرے زمیں پہ تو مٹی خراب ہو
قطرہ گرے صدف میں تو درِّ خوش آب ہو

انساں ہو لاکھ لاکھ بشر لاکھ نکتہ داں* رنگیں سخن ہزار ہزاروں ہیں خوش بیاں
بینا اگر نہ ہو تو سخن خود ہے رائگاں* بے لطف ہے سخن جو نہ ہو کوئی قدرداں

بے کار ہے ریاض جو حاصل ثمر نہیں
(خاکسار شبیر) عنبر بھی خاک ہے کوئی خواہاں اگر نہیں (میر انیس)

تقریظ نوشتۂ حضرت مولوی حکیم ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی جانشینِ خواجہ میر درد وارشدِ تلامذۂ جناب شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو* اک گونہ بے خودی مجھے ہر آن چاہیئے

نظم و نثر کو اگر گل اور ریاحین فرض کیجئے تو اخوی المعظم مولانا بشیر الدین احمد تعلقہ دار سرکارِ نظام الملک آصف جاہ کو گلچیں سمجھیئے اور اگر کلامِ معانی کو یاقوتِ آبدار اور گوہر شاہوار قیاس فرمایئے تو حضرتِ ممدوح کو جوہری کہیئے۔ دن رات آپ کو اسی کی دُھن ہے نت نئی کتابیں

خاتمۃ الطبع ؎ شکر کہ جمّازہ بمنزل رسید۔ زورقِ اُمید بہ ساحلِ رسید

جب حکایتوں اور لطیفوں کو جمع کرنا شروع کیا تو خیال تھا کہ بارہ بارہ جزو کافی ہوں گے مگر بڑھتے بڑھتے نوبت بہ ایں جا رسید کہ دونوں کے تین تین حصّے ہوگئے اور ابھی دو دو حصّوں کا مواد میرے پاس موجود ہے۔ دیکھیں ہماری محنّت کی کیا داد ملتی ہے آیا باقی ماندہ حصّوں کی اشاعت کی نوبت آتی ہے یا یونہیں کس مپرسی میں پڑے رہیں گے۔ ؎

کس نیست متاع را خریدار ✻ باآں کہ بہا گراں نہ گویم
زاں رو کہ خردورانِ گیتی ✻ رنجند چو قدر داں نہ گویم
ناچار متاعِ عرضہ دارم ✻ بے رونقیِ دکان نہ گویم
ایں بس کہ اگر ز آسمانم ✻ پرسند ز ریسماں نہ گویم (غالبؔ)

پہلے حصّے میں (۱۷۸) دوسرے میں (۱۱۳) تیسرے میں (۱۲۳) حکایتیں ہیں۔ کُل ملا کر (۴۱۴) اتنی کہانیاں پیش ہیں۔ داستان گو اور قصہ خواں اول تو اب پیدا نہیں اور جو ایک آدھ بڈّھا ٹھڈّا بچا کھچا زمانِ سلف کی یادگار رہ گیا ہے وہ ہر جگہ اس آسانی اور ارزانی سے میسّر کہاں آسکتا ہے یہ لطف تو کتاب میں ہی ہے کم خرچ بالانشیں ہر وقت دست بستہ حاضر۔ اب بھی لوگ اس سے تمتّع

(۱۴۳) ایک بخیل امیر کے گھر ایک **کلانوت** وارد ہوا بہت کچھ گایا بجایا رِجھایا مگر ایک خرمہرہ نہ ملا۔ برخاست کے وقت نوکر سے کہا کہ اس کلانوت کو کچھ کھلا پلا دینا یہ کہہ کر امیر صاحب داخلِ محل سرا ہوتے یہ کلانوت منتظر رہا کہ اب کھانا آتا ہی جب آتا ہی جب بہت دیر ہوگئی اور وہ بھوک سے بے قرار ہوا تو ناچار ملازم کے پاس جاکر متقاضی ہوا کہ "بالا لوں ہیں بھوک سے جاں بلب ہوں کچھ دلوائیے کہ پیٹ کی آگ بجھے" اُس نے ٹکڑا توڑ کے جواب دیا کہ تو یہاں کی مہمان نوازی سے واقف نہیں ہی ہائے سُن مرزا سودا کی **نظم** یہ یہاں کے حسبِ حال ہی:

ان کے باورچی خانے کا احوال ۔ چوٹھے پر گھر کے جب کریں ہیں خیال
ڈالے ہی سر پہ خاک ماتم سے ۔ لکڑی جلتی ہی آتشِ غم سے
سینے دیگوں کے مارتے ہیں جوش ۔ روتے ہیں ڈھانپ ڈھانپ مُنہ سرپوش
اس خجالت سے دیکچے یکسر ۔ سرنگوں ہی پڑے ہیں چوٹھے پر
دوری سے دیگچیوں کے ہی یہ حال ۔ سینہ کفگیر کا ہوا غربال
کی زمانے میں لاکھ ہی تدبیر ۔ نہ ملا دیگچے سے پر کفگیر
کرکے سو عید گنبدِ گرداں ۔ نہ ٹلے ان کے گھر سے تی رمضان
سردی مطبخ میں ایسی رہتی ہی ۔ ناک باورچیوں کی بہتی ہی
سُنا اس گھر کا یار تونے حال ۔ مجھ سے کھانے کا پھر نہ کیجو سوال

ہمارے ہی گرنے کا تھا۔ جب یہ معلوم ہوا تو کراہنے لگے کہ ہائے یہاں چوٹ لگی، وہاں چوٹ لگی۔

(۱۲۰) ایک افیونی کو کوٹھے پر سوتے سوتے اس وہم نے گھیرا کہ میرے مکان کے برابر ایک بہت بڑا دریا لہریں مار رہا ہے۔ پھر یہ تصور بندھا کہ پانی یہاں تک آگیا۔ آپ مونڈھے پر چڑھ کے بیٹھ گئے اور یہ شعر پڑھنے لگے ؎

دیکھ دریا کو مرے دل پہ لہر آتی ہے ٭ کشتی عمر صد افسوس بہی جاتی ہے

یہ دیکھ کر کہ دریا کی طغیانی دم بدم بڑھ رہی ہے آخر مرنا اول مرنا اس سے بہتر ہے کہ ہم خود ہی کیوں نہ کود جائیں اور ہاتھ پاؤں مارکے نکل جائیں۔ ع

"ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم"[1]

مرتا کیا نہ کرتا آپ جان ہتیلی پر رکھ کر بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا[2] کہتے ہوئے کود دے اور گرکے ہاتھ پاؤں مارتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے "پار ہی پار ہی" ایک شخص نے جو پاس سے جا رہا تھا۔ ہاتھ بغل میں دے کر اٹھایا کہنے لگا میاں! خبردار ہو ذرا اپنے آپ کو سنبھالو یہ کیا واہی تباہی بکتے ہو۔ افیونی بگڑ کر بولا اب آئے ہو جب میرے پاؤں زمین پر ٹک گئے۔ پہلے کوئی نہ آیا؟"

[1] اب کچھ بھی ہو جائے ہم نے تو کشتی دریا میں ڈال ہی دی۔ [2] کشتی میں سوار ہوتے وقت بجائے بسم اللہ کے یہ کہتے ہیں جس کے معنے یہ ہیں کہ کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہے یعنی اُسی کے ہاتھ اور اختیار میں ہے۔ ۱۲

لگا کر ایک درخت سے باندھ دیا۔ نشہ پانی کر کے جب چلنے لگے نوکر سے کہا "دیکھنا کچھ بھول نہ جانا" نوکر بولا "صاحب بھولنے کا کیا ذکر ہی؟ آپ کے پاس افیون کا ڈبّہ اور میرے پاس حقّے کی کلی اور کوئیلوں کی تھیلی موجود ہی بظاہر تو کوئی چیز بھولے نہیں باطن کی خبر خدا جانے" غرض گھوڑے کو وہیں چھوڑ چھاڑ چلتے ہوتے۔ رستے میں افیونی نے کہا "مجھے شُبہ ہوتا ہی کچھ بھولے تو نہیں۔ ذرا پھر سوچ لے" نوکر نے کہا "میرا اسباب میرے پاس آپ کا اسباب آپ کے پاس۔ ایسا کون سا لمبا چوڑا اسباب ہی جو بھول جائیں گے۔ آپ کو کچھ وہم ہو گیا ہی اور مثل مشہور ہی کہ وہم کی دارو لقمان کے پاس بھی نہیں۔ غرض طی مسافت کر کے سرِ شام ایک سرائے میں پونہچے۔ بھٹیاری سے کہنے لگے "کھانے اور دانے گھاس کا جلد انتظام کرو۔ ہمارا بھوک کے مارے کلیجہ ٹوٹا جاتا ہی کیونکہ ہم لوگ افیونی ہیں ہم کو بھوک اور پیاس کی برداشت نہیں" بھٹیاری دانے چارے کے انتظام سے فارغ ہو کر کھانے پکانے میں لگ گئی۔ ایک گھڑی کے بعد بھٹیاری دل میں کہنے لگی کہ دانا تو منگوایا اور بھگو دیا مگر وہ گھوڑا تگوڑا کہاں ہی شاید تھک کر پیچھے رہ گیا ہو گا اب آتا ہو گا۔ آخر کار رات گئے بھٹیاری گئی

پوچھا "باہر یہ کون صاحب بیٹھے ہیں؟" بیوی نے کہا "میں کیا جانوں یہ کون، بلا بو غما ہی، میں سمجھی تمہارا کوئی دوست یا عزیز ہوگا جو بچّوں کے لیئے مٹھائی بھی لایا ہی۔ یہ سُن کر صاحبِ خانہ باہر نکلے۔ پوچھا "اے مشفقِ من! آپ کا اسمِ مبارک، کیسے تکلیف فرمائی؟" میں نے نہایت سادگی اور بے تکلفی سے کہا "اوہو! آپ مجھے نہیں پہچانتے تعجب ہی کہ اس قدر جلد بھول گئے۔ میری شادی تمہاری ہمشیرہ سے ہوئی ہی اور یہ دونوں بچّے جو تمہارے بھانجے ہیں، میرے ہی ہیں" یہ سُنتے ہی وہ آگ بگولا ہوگیا اور مجھے بہت کچھ سخت سست کہہ کے گردن میں ہاتھ دے کے نکال دیا۔ یہ ندامت آج تک مجھے دامن گیر ہی۔

(۱۱۷) ایک روز ایک صاحب کوٹھے پر بیٹھے دوستوں کے ساتھ چوسر کھیل رہے تھے۔ گنڈیریوں اور نارنگی کے بہت سے چھلکے پڑے تھے۔ نوکر سے کہا "اچھی طرح جھاڑ جھوڑ کے یہ سارا کوڑا کرکٹ باہر گلی میں پھینک دے مگر بھلے آدمی کو دیکھ کر پھینکنا۔ نوکر سارا کوڑا کرکٹ ایک ٹوکری میں سمیٹ کے منتظر رہے کہ میاں کے کہنے کی تعمیل ضرور ہی۔ کوئی بھلا آدمی آئے تو دیکھ کے پھینکوں۔ اتنے میں ایک مقطع صورت ثقہ منش اُدھر سے گزرے نوکر نے جھٹ

مختصر یہ کہ اُس دغاباز مکّار نے مجھے ایک بھلے مانس کے دروازے پر
لے جاکر کھڑا کر دیا اور کہا بیٹھئے جناب یہی تمہاری سسرال ہی دروازے
پر دستک دو تمہارے بچے نکل آئیں گے تم تھوڑی دیر ڈیوڑھی
میں ٹکنا۔ تمہارا سالا دربار سے آئے گا تمہیں خاطر تواضع سے اندر
لے جائے گا۔ آپ کی بیوی مجھ سے خواہ مخواہ ناراض ہوگئی۔ ورنہ
میں ہی بخوشی آپ کو لے چلتی یہ کہہ کر بڑھیا تو ایسی غائب ہوئی
جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ میں نے جو کُنڈی کھٹکھٹائی تو
اندر سے دو لڑکے ایک چھ برس کا دوسرا چار کا نکلے میں نے جھٹ
اُن کو مٹھائی کی ٹوکری دے دی وہ اندر گئے۔ گھر والوں نے
سمجھا کوئی میاں کا دوست ہوگا جو بچّوں کے لیئے مٹھائی لایا ہے گھر والی
نے اندر سے خاصدان میں گلوریاں اور عطردان بھیج دیا حقّہ الگ بھروا
دیا اور ماما کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ آپ ذرا ٹھیریئے وہ ابھی دربار سے
آتے ہوں گے۔ تھوڑی دیر میں خوان میں کھانا لگا کے بھیجا اور کہا
خدا جانے وہ کب آئیں کب نہ آئیں، وقت زیرہ ہوگیا ہے آپ خاصہ
تناول فرمالیجئے۔ یہ کھانے سے فارغ ہوکر ہاتھ دھو رہے تھے کہ صاحب خانہ
تشریف لے آئے۔ ڈیوڑھی میں ایک اجنبی شخص کو بیٹھے دیکھ کے
معمولی صاحب سلامت کرکے اندر چلے گئے۔ گھر میں جاکر بیوی سے

مبارک ہو۔ میری محنت وصول ہوئی خدا نے تمہیں چاند سا بیٹا دیا۔ کچھ
چھٹی چلّے اور دائی جنائی کے واسطے دلوایئے تو زچّہ خانے کا کام اجراہو
مجھے دینا پڑا۔ غرض وہ کبھی لڑکوں کے کرتے ٹوپی کبھی کھانے پینے
اور متفرق اخراجات کے لیئے کچھ نہ کچھ گھسیٹتی ہی رہتی تھی اس طرح
ہزار ہا روپیئے لے گئی اور سانس تک نہ لیا آخر کار میں نے کہا ای
نیک بخت مجھے میری دلہن کی شکل تو دکھا دے۔ بڑھیا نے کہا
یہ دن کڑوے کسیلے ہیں ایسی جلدی کیا پڑی ہے آپ کی دلہن کہیں
بھاگی نہیں جاتی ذرا صبر کیجیئے۔ اس عرصے میں میری بدعنوانیوں کی
خبر چکلہ دار کو پونہچی کہ فلاں علاقے سے آج تک آمدنی کی ایک
کوڑی تک نہیں آئی وہاں سے کھٹ سے حکم معزولی آن دھمکا
اب میری آنکھیں کھُلیں۔ گھروالی اور بال بچّوں کا خیال دل کو
ملال دینے لگا۔ میں نے بڑھیا سے کہا لو بی صاحب ہم تو چلے تم
مجھے میری بیوی اور بال بچّوں سے تو ملوا دو یا یوہیں اُمید ہی
اُمید میں رکھو گی۔ بڑھیا نے کہا واری جاؤں صدقے جاؤں بسم اللہ
کل چلیئے مگر بچّوں کے لیئے کچھ شیرینی کپڑے لتّے کا انتظام کر لیجیئے
یہ ہزار یا پانسو کا جوتا اور لگا۔ سہ
لہٗ سانس دیکھی تنِ بسمل میں جو آتے جاتے ※ اور چرکا دیا جلّاد نے جاتے جاتے

لہٗ دلّی والے سانس کو مذکّر بولتے ہیں اور لکھنؤ والے مؤنث ۔ ۱۲

کہ حضور میں نے آپ کی بات ایک ایسی پری جمال سے ٹھیرائی ہے
کہ آپ بھی کیا یاد کریں گے مگر سردست بات پکّی کرنے کو چڑھاوے
کی مد میں سے کچھ نہیں تو ہزار پانسو تو دلوائیے۔ میں نے چپکے
سے پانسو روپئے نکال بڑھیا کے آگے ڈال دیئے۔ چند روز
کا وقفہ دے کر بڑھیا آئی اور یہ پیغام لائی کہ سامانِ شادی
کے لیئے دو ہزار تو دلوائیے میں دفورِ شوق سے اندھا تو ہو ہی
رہا تھا۔ دو ہزار یہ بھی لیجے۔ اب بڑھیا کہنے لگی کہ آپ برات
لے کر چڑھیں گے تو باجا گاجا ناچ رنگ آتش بازی میں بڑا
صرفہ ہوگا بہتر یہ ہے کہ آپ صرف نکاح پڑھالیں۔ میں نے کہا
کہ آم کھانے سے غرض یا پیڑ گننے سے یہ بڑھیا میرے ہی بھلے
کی بات کہتی ہے میں نے کہا ہاں تیری صلاح ٹھیک ہے۔ بڑھیا
بولی کہ اچھا نکاح کا خرچ لاؤ تو میں اُس کا بندوبست کروں
دو ہزار مجھے اور دینے پڑے۔ بڑھیا نے کہا کہ آپ کی دلہن
ماہ پارہ کے آنے کی یہ ساعت ٹھیک نہیں ہے ذرا صبر کیجیے وہ
ساعتِ نیک میں مقرر آئے گی دو چار مہینے کا پٹاری کا خرچ
اور دے دیجیے میں نے ہزار روپئے اور حوالے کیئے مہینے دو
مہینے کے بعد بڑھیا ہشاش بشاش آئی اور کہنے لگی لو صاحب

پٹک کے وہیں مر گیا۔

(۱۱۶) **نقل چار احمقوں کی**۔ چار احمق سیر کو نکلے۔ ایک بڑھیا رستے سے چلی جا رہی تھی۔ ایک نے کہا بڑھیا نے مجھے سلام کیا دوسرا بولا واہ مجھے سلام کیا غرض چاروں آپس میں جھگڑنے لگے وہ کہتا ہے مجھے سلام کیا یہ کہتا ہے مجھے۔ ایک صاحب رستے سے جا رہے تھے اُنہوں نے کہا میاں ذرا سی بات میں لڑتے جھگڑتے کیوں ہو وہ بڑھیا سامنے جا رہی ہے اُس سے پوچھ لو نا، چھٹی ہوئی احمقوں نے کہا ہاں بات تو ٹھیک ہے۔ بڑھیا کی طرف لپکے اُسے جا لیا۔ چاروں نے پوچھا "بڑی بی تم نے سلام کسے کیا تھا؟" بڑھیا زمانہ دیدہ تاڑ گئی کہ یہ چاروں اول درجے کے بیوقوف ہیں اُس نے کہا "تم چاروں میں جو سب سے زیادہ بیوقوف ہے میں نے اُسے سلام کیا تھا" چاروں نے اپنی اپنی داستانِ حماقت بیان کی

پہلے احمق کی نقل۔ بڑی بی سُنو! ایک دفعہ جو میں اپنی سسرال گیا جب شام کے کھانے کا وقت ہوا دسترخوان بچھا لوگوں نے مجھ سے کہا "بسم اللہ کیجئے" شرم کے مارے میرے مُنہ سے نکل گیا کہ میں تو کھا کر آیا ہوں۔ ہر چند اُنہوں نے اصرار کیا مگر میرے مُنہ سے جو بات نکل گئی تھی بس نکل گئی۔ اُدھر اصرار تھا اِدھر انکار

اور جب محنت کرتے کرتے قبل از وقت مرجاتے ہیں تو ہماری
کھال کی جوتیاں بناکے پہنتا ہے۔ مرے بعد بھی اس کم بخت سے پیچھا
نہیں چھوٹتا۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اُدھر سے ایک بڑھئی بسولا
وغیرہ اپنے اوزار لیے گاؤں کو چلا جا رہا تھا یہ کچھ ان جانوروں
سے نرالا تھا اُن کے چار پاؤں تھے اس کے دو اور یہ مقابلے ان
جانوروں کے نحیف الجثہ بھی تھا۔ آدمی کا جو شہرہ سنتے ہیں اُس سے
تو یہ آدمی نہیں معلوم ہوتا مگر پوچھ لینے میں کیا حرج ہے۔ آگے
بڑھ کے دل کڑا کرکے پوچھ ہی لیا اُس نے ڈپٹ کے کہا ہاں
جی ہاں! ہم آدمی زاد ہیں" یہ سن کر بچہ شیر نے دل میں کہا واہ!
ہمارے والد نے بھی خوب دھوکا دیا۔ اس نیم جان مشتِ استخوان
سے اگر ڈرے تو پھر مردانگی کیا رہی۔ انسان نے کہا کہ ہاں ہماری
شخصیت گو کچھ نہ ہو مگر ہم میں آدمیت بڑی ہے۔ ذرا ٹھیرو میں تجھے
تماشہ دکھاتا ہوں۔ یہ کہہ بڑھئی نے درخت میں سے ایک گدا
کاٹ کے وہیں بیٹھ کے ایک کاٹھ بنایا اور شیر سے کہا ہاں صاحب
ذرا اس میں سر ڈال کے ہماری آدمیت دیکھیے۔ شیر نے جھپ سر
ڈال دیا۔ بڑھئی نے اوپر سے ایک میخ ٹھونک دی۔ شیر سر چند تڑپا
ڈرو کا، زور لگایا مگر سر نہ نکلا پر نہ نکلا۔ انجام یہ ہوا کہ سر ٹپک

اِس سے الامان مانگنا۔ جب بچّہ شیر جوان ہوا تو جوانی دیوانی آپ
سیر کو ایک مرغزار کی طرف چلے وہاں پہلے پہل فیلِ طویل
القامت و الجثّہ کو دیکھ کر ڈرا سمجھا کہ وہو آدمی ہی ہوگا۔ ہاتھی
نے کہا کہ میں آدمی نہیں۔ باوجود اس ڈیل ڈول کے جب ہم اُن
کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں جو جیس کل چاہتے ہیں بٹھاتے
اُٹھاتے ہیں، سوار ہوتے بوجھ لادتے اور مارے آنکسوں کے
سر کا بھیجا پلپلا کر دیتے ہیں۔ وہاں سے آگے بڑھا تو ایک شتر
بے مہار ملا۔ اُس نے عجیب الخلقت لمبے بے ڈھنگو کو دیکھ کر دل
میں کہنے لگا یہ ضرور آدمی ہوگا اُس نے کہا آدمی کا میرے سامنے
نام نہ لو وہ ایسا ظالم ہی کہ میری ناک میں نکیل ڈال دی اور پیٹھ پر
من ملنے بوجھ لادکے "می بُرد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست"[1] خدا اس
کے پنجے میں کسی کو نہ پھنسائے۔ آگے گراں ڈیل موٹا تازہ بیل
ملا۔ شاید یہ آدمی ہو کہ سڈول ہی مگر وہ شیر بچّے کو دیکھ کے خود
ڈرا یہ سمجھ گیا کہ نہیں یہ حضرتِ انسان نہیں۔ یہ اپنا دُکھڑا رونے
لگا کہ میری ناک چھید کر منوں بوجھ کی گاڑی کھنچواتا ہی۔ یوں بھی
پیٹھ پر اناج کی بھاری بھاری گونیاں لادتا ہی۔ کھیت جُتواتا ہی۔
غرض ہر طرح سے ستاتا اور آر مار مار کے پٹھے لہولہان کر دیتا ہی۔

[1] جہاں دل چاہتا ہی گھسیٹے گھسیٹے پھرتا ہی۔ ۱۲

(۱۱۴) **سو سنار کی فقد ایک لوہار کی**۔ ایک بادشاہ عالی جاہ اپنے قصرِ بلند پر بیٹھا آیندگان و روندگان کا نظارہ کر رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہی دور سے ایک شخص ایک مرغ کو دکھلا رہا ہی۔ بادشاہ نے قریب بُلا کے پوچھا کیا ماجرا ہی؟ اُس نے عرض کیا کہ غلام اپنی بدنصیبی سے ہمیشہ پالی ہار جاتا تھا آج حضور کا اسمِ مبارک لے کر جو بازی بدی کشتی جیت گیا لہذا مرغ نذر لایا ہوں۔ ع

"گر قبول افتد زہے عزّ و شرف"[1]

بادشاہ نے نذر قبول کی۔ چند روز کا وقفہ دے کر پھر یہ شخص ایک مینڈھا لایا کہ یہ بھی حضور کے اسمِ گرامی کی بدولت ٹکّر جیتا ہی وہ بھی داخل باورچی خانہ ہوا۔ پھر کچھ دنوں بعد ایک شخص کو لے کر گیا کہ آج غلام چوسر کی بازی میں دو ہزار ہار گیا غلام کو اس بازی جاں بازی سے نجات دلایئے۔ بادشاہ سُن کر مسکرایا اور دو ہزار نکال کر دے دیئے اور کہا الماضی لا یُذکر[2] اب آیندہ سے میرے نام کی بازی نہ لگانا۔

(۱۱۵) ایک شیر اپنے بچّوں کو نصیحت کرتا تھا کہ بیٹا جانوران صحرائی وحیوانات دریائی کسی سے نہ ڈرنا لیکن ایک کلسرے آدمی زاد جلّاد کے پاس ہرگز نہ پھٹکنا کہ یہ انسان آفتِ جان اور مرض بے درمان ہی

لے اگر قبول ہو جائے تو میری بڑی خوش نصیبی ہی۔ ۲ے گزری ہوئی بات کا ذکر نہ کرو۔ ۱۲

اور تین انڈے بیگم صاحبہ کو پیش کیے۔ امیر نے پوچھا کہ یہ تقسیم آپ نے
کس حساب سے کی۔ وہ صاحب کہنے لگے کہ میں نے برابر تقسیم کی ہے۔
آپ ملاحظہ فرمائیں۔ آپ کے اور آپ کے دونوں صاحب زادوں
کے پاس اور میرے پاس دو بیضے قدرت کا عطیہ ہیں اور ایک
ایک یہ اس طرح ہم سب کو تین تین انڈے پہنچے۔ رہیں بیگم صاحبہ
وہ اس قدرتی عطیہ سے محروم ہیں لہذا اُن کو تین انڈے دیئے۔
حساب برابر ہو گیا۔ امیر سُن کر محظوظ ہوئے۔ اسی طرح ایک دن
دسترخوان پر چار مرغ مسلّم کباب شدہ آئے۔ امیر نے کہا کہ آپ
کو تقسیم میں بڑا ملکہ ہے بسم اللہ بانٹیے۔ ایک مرغ تو انھوں نے
صاحبِ خانہ اور بیگم صاحبہ کے سامنے رکھ دیا اور ایک مرغ
دونوں بیٹوں کے سامنے اور دو مرغ اپنے آگے رکھ لیے پھر
صاحبِ خانہ نے استعجاب سے پوچھا یہ نامنصفانہ تقسیم کیسی؟ مہمان نے
کہا جی نامنصفانہ نہیں منصفانہ ہے ملاحظہ فرمائیے آپ بہ نفسِ نفیس اور بیگم صاحبہ
دو اور ایک مرغ، تین ہوئے۔ آپ کے دونوں صاحب زادے
اور ایک مرغ، تین ہوئے۔ بندہ اور دو مرغ، تین ہوئے۔ کیوں
جناب سچ فرمائیے حصّہ برابر ہوا یا نہیں۔ امیر کو سوائے مان
لینے کے اور چارۂ کار نہ تھا۔

پوچھا اُس نے رو رو کے ہزاروں قسمیں کھائیں کہ یہ بچہ میرے شوہرِ مرحوم کا ہی۔ بادشاہ نے خدّام کو حکم دیا کہ جاؤ اس لڑکے کو بہ آرام حمّام کرکے ہمارے پاس لاؤ۔ بعد حمّام اس لڑکے کو روشِ باغ پر خوب دوڑایا جب پسینے پسینے ہوگیا تو رومال سے پسینہ پچھوایا سونگھا تو اُس میں صاف مچھلی کی لیساندھ آتی تھی۔ عورت سے دریافت کیا اُس نے کہا کہ میرا شوہر روز سیر ماہی جیرب کرکے کھایا کرتا تھا۔ یہ سُن کر بادشاہ نے اس لڑکے کو ترکۂ پدری دلوایا اور قاضی وغیرہ کو بہت تنبیہ کی کہ تم ایسا ہی اوٹ پٹانگ انصاف کیا کرتے ہو۔

(۱۱۳) بے نظیر تقسیم۔ ایک صاحب سرِ شام کسی امیر سے ملنے گئے۔ کھانے کا وقت تھا شریکِ طعام ہوئے۔ قسم قسم کے لذیذ کھانے تھے۔ اُس میں سات انڈے بھی تھے۔ دسترخوان پر صاحبِ خانہ، اُن کی بیگم اور دو صاحب زادے اس طرح چار شخص تھے اور پانچویں یہ خود۔ امیر نے سادگی سے کہا کہ آپ ان سات انڈوں کو پانچوں شخصوں میں علی السویہ اس طرح بانٹ دیں کہ انڈا ٹوٹے نہیں۔ اُس شخص نے "الامر فوق الادب"[1] کہہ کے ایک انڈا صاحبِ خانہ کے سامنے رکھ دیا اور ایک ایک دونوں صاحب زادوں کے سامنے

[1] ادب میں خلل پڑے تو پڑے مگر حکم میں فرق نہ آنے۔ ۱۲

کہ آپ کو اتنا صرفہ برداشت کرنا پڑے گا۔
پنڈت۔ مجھے، مجھے؟ مجھ سے کیا تعلق؟
وہ شخص۔ جی مگر آپ ہی کے بیٹے نے مارا ہے۔
پنڈت۔ میرے بیٹے نے! (کچھ سوچ کر) اچھا اچھا سنو۔ میں
بھولا۔ میں نے غلطی کی۔ شاستر میں یوں لکھا ہے۔
مکڑ کو دُکڑ (مکڑی کا کفارہ دو کوڑی)
(۱۱۲) **سگے سوتیلے بھائیوں میں جھگڑا**۔ ایک شخص نے ضعیفی
میں دوسری شادی کی۔ حرارتِ عزیزی بڑھانے کو وہ ہر روز ماہی
روغن گاؤ میں چرب کر کے کھاتا تھا۔ چند روز کے بعد اس نئی بی بی
سے ضعیفی میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ لڑکا ابھی پیٹ میں ہی تھا کہ
باپ کو سفرِ آخرت پیش آگیا۔ لڑکا جب پانچ چھ برس کا ہو گیا
تو اس کے سوتیلے بھائیوں نے یہ کہہ کر کہ یہ ہمارے باپ کی
اولاد نہیں ہے ورثۂ پدری سے محروم کر دیا۔ یہ عورت اُفتاں و خیزاں
اکبر بادشاہ کے حضور میں دادخواہ ہوئی۔ بادشاہ نے قاضی،
مفتی اور کوتوال سے بلا کر دریافت کیا کہ تم نے اس مظلومہ کا
انصاف نہ کیا جو ہم تک نوبت پہنچی۔ اُنہوں نے یک زبان کہا
کہ ہم مجبور ہیں روداد اس کے خلاف ہے۔ بادشاہ نے عورت سے

شود عاقبت بچہ زاغ زاغ ※ بر و ر نج بیہودہ طاؤس باغ

(۱۱۰) عادت پر موقوف ہی۔ ایک اچھی ذات والی بیوہ عورت نے ایک دباغ سے شادی کرلی گھر میں جو آئی چمڑوں کی سڑاند کے مارے ناک نہ دی جاتی تھی۔ اُس غریب نے سارے گھر کو جھاڑ جھوڑ کے پاک صاف کیا اور شوہر سے کہا "لو اب دیکھو پہلے اس گھر کا کیا حال تھا کہ ناک نہ دی جاتی تھی اور اب بو کا پتہ بھی نہیں" شوہر نے کہا "مجھے تو گھر کی حالت میں کوئی فرق معلوم نہیں دیتا جیسے پہلے تھا اب بھی ہی چمڑوں کی بو نہ گئی ہی۔ نہ جا سکتی ہی، یہ صرف تمہاری ناک کا فرق ہی۔ اب تمہاری ناک بو کی عادی ہو گئی ہی"

(۱۱۱) پاپ بام و دو ہوا۔ پنڈت لوگ جس کسی سے کوئی پاپ ہو جائے اُس سے پراسچت کراتے ہیں یعنی کفارہ دلاکے اُسے گناہ سے پاک کر دیتے ہیں۔ ایک شخص نے آکر کہا کہ میں نے مکڑ مار دیا ہی اس کا کفارہ کیا ہی؟

پنڈت۔ او ہو! مکڑ کا مارنا مہا پاپ ہی تم کو سونا پُن کرنا پڑے گا اور ہاں خوب یاد آیا ایک من غلہ اور سُنوگھی، پانچ پارچے اور پوجا پاٹ اور نذر و نیاز۔ چڑھاوا۔ بھینٹ۔ وہ شخص۔ مجھے افسوس ہی

فیصلہ الگ ۱۲۰

لہ آخر کار کوّے کا بچہ کوّا ہی ہوگا۔ باغ کے مور کا رنج کرنا بیکار ہی۔ ۵ ایک ہی صورت اور ایک ہی حالت مگر

وقت جنّت کے انجیر کا اس کو پیوند لگادیں اور چشمۂ سلسبیل کا پانی دیں اور اس انڈے پر حضرت جبرئیل دم بھی کریں تو ۱۲۰

سے پہلے ہی میں قول لے چکا ہوں۔

راجہ- اچھا تو تم اس بات کو ثابت کرو ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھوؤ۔

اندھا- اگر آپ میری بات کا ثبوت چاہتے ہیں تو جیسا میں عرض کروں وہ آپ کیجیئے۔ محل میں تشریف لے کر بیمار بن جایئے ایسے کہ اب مرے، باوجود دوا یا علاج کے بھی آپ تن درستی کا اظہار نہ کریں روز بروز مرض کی زیادتی ہی کہے جائیں اور آخر میں غلام کو یاد فرمالیں۔ جیسا اندھے نے کہا ویسا ہی راجہ نے کیا جب کسی علاج سے مزاج روبراہ نہ ہوا تو آخرکار اندھا بلایا گیا۔ اندھے نے راجہ کی نبض دیکھ کر مایوسی کا اظہار کیا اور کہا کہ اس مرض کا علاج اگر کچھ ہی تو صرف باپ کی دعا ہی۔ راجہ یہ سُن کر رونے لگا اور کہا کہ "یوں کہو کہ میری موت ہی آگئی۔ میرے باپ کو مرے زمانہ ہوا نہ وہ آسکیں گے نہ دعا دیں گے نہ میں جاں بر ہوں گا بس تو میری زندگی کا خاتمہ ہی، میں تم سب سے رخصت ہوتا ہوں رانی صاحبہ (راجہ کی ماں) پردے میں سے سب سُن رہی تھیں جوان بیٹے کی حالت سُن کر ماں کی ممتا بے قرار ہوگئیں۔ سب کو ہٹا کر پردہ کرا کے آئی اور بیٹے سے کہنے لگیں گھبراؤ نہیں میں نے تیرے باپ کو ابھی بُلا بھیجا ہی وہ آکر تجھے دعا دے گا۔"

(۱۰۹) ہاں سر کا شرف پاؤں کو حاصل نہیں ہوتا
اسفل کبھی اعلیٰ کے مقابل نہیں ہوتا

ایک اندھا شخص ایک راجہ کے پاس جا کر عرض کرنے لگا کہ "مجھے جواہرات کی بڑی پرکھ ہے۔ میں گھوڑے وغیرہ کے حسن و قبح کو خوب پہچانتا ہوں اور سب سے بڑھ کے یہ کہ آدمی کو جان جاتا ہوں کہ کیسا ہے"۔ راجہ نے اسے نوکر رکھ لیا۔ کچھ دنوں بعد اس کے امتحان کا موقعہ آیا۔ بلائے گئے۔ راجہ نے کچھ موتی، کچھ ہیرے اور ایک گھوڑے کی شناخت کرائی۔ راجہ تاجروں کو مُنہ مانگی قیمت دینے پر آمادہ تھا کہ اس شخص نے دیکھ بھال کے جو جو نقص جس چیز میں تھا بتلا دیا۔ راجہ بڑے نقصان سے بچ گیا۔ راجہ نے خوش ہو کر چند پیسے انعام دیئے۔ ایک دن اندھے نے تخلیہ کا موقع پا کر بہت ڈرتے ڈرتے عرض کیا "مہاراج اگر جان کی امان پاؤں اور آپ ناراض نہ ہوں تو غلام ایک حقیقت نفس الامر کا اظہار کرنے کی معافی چاہتا ہے"۔ راجہ نے کہا "ڈرو نہیں، بلا خوف و خطر کہو"۔ تب اندھے نے کان کے پاس مُنہ لے جا کے آہستہ سے کہا "کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ راجہ کے نطفے سے نہیں ہیں؟"

راجہ نے بگڑ کر کہا "یہ گستاخی!"۔ اندھا۔ حضور خفا نہ ہوں کیونکہ حضور

(۱۰۶) پروے کی جڑ

گر توانم بکسے روئے تو دیدن ندہم[1]
گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن ندہم

راجہ گبّو چند کے انصاف کا شہرہ دور دور تھا۔ ایک دن ایک گھر بیٹھ گیا جس میں ایک شخص دب کے مرگیا۔ مالکِ مکان کو پھانسی کا حکم دیا گیا۔ اُس نے عذر کیا کہ اس میں میری کیا خطا ہے؟ راجوں نے مضبوط نہ بنایا، اگر قصور ہے تو اُن کا۔ راجہ صاحب نے مکان دار کو چھوڑ راجوں کو دھر لیا اور حکم دیا کہ ان کے سر اُڑا دو۔ راجوں نے کہا حضور کے انصاف کا شہرہ ہے اس میں ہمارا قصور نہیں مزدوروں نے گارا اچھّا نہیں بنایا ورنہ مکان نہ گرتا۔ اب مزدوروں کی گردن مارنے کا حکم ہوا۔ مزدوروں نے کہا ہم رحم اور انصاف کے طلبگار ہیں پزاوے والے کی خطا ہے جس نے اینٹیں ناقص بنائیں مزدوروں کو چھوڑ پزاوے والا ماخوذ ہوا وہ بولا اس میں میرا ذرا بھی قصور نہیں بلکہ لکڑہارے قابلِ مواخذہ ہیں۔ اُنہوں نے کافی مقدار میں لکڑی نہ دینے سے اینٹیں کچّی رہ گئیں۔ لکڑہاروں نے کہا ہم بے قصور ہیں، حضور کے سواروں کی ایک ٹکڑی دفعتہً گھس آئی ہمارے گدھے بھڑک کے بوجھ پھینک کے تتّر بتّر ہوگئے، لکڑی کم پڑگئی۔ سوار پکڑے گئے۔ سواروں نے کہا ہمارا کچھ بھی قصور

[1] اگر میرا اختیار ہو تو اپنی معشوقہ کی شکل کسی کو دیکھنے نہ دوں۔ شکل تو شکل کان تک کو بھی تیری بات سننے نہ دوں۔ ۱۲

عہ ساری دنیا کے برعکس اللہ تعالیٰ گو چشمِ ظاہر سے پوشیدہ ہے مگر سچ پوچھو تو کھلم کھلا موجود ہے اور جتنا چشمِ ظاہرت سے نظر آتا ہے اتنا ہی وہ پوشیدہ بھی ہے۔۱۲

کو دیکھو اُس کے گلے میں پھانسی پڑی ہوئی ہی - ہم دوسروں کو امورِ
دنیاوی میں دیوانہ سمجھتے ہیں مگر در حقیقت ہم خود دیوانے ہیں ؎
پیمانہ ہوکے آنا کسی بادہ کش کے کام * انساں بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی

(۱۰۵) آنکہ خویشتن گم ست کرا رہبری کند؟[۱] ایک گاؤں میں
چار اندھے رہتے تھے اُنھوں نے ہاتھی کا نام تو سُنا تھا مگر کبھی دیکھا
نہ تھا - ایک دن گاؤں میں ایک ہاتھی آن نکلا - اندھوں نے مہاوت
سے خواہش ظاہر کی کہ ہم ٹٹول ٹٹال کے ہاتھی کو دیکھنا چاہتے
ہیں - مہاوت نے کہا اچھّا - ان چاروں نے اس عظیم الجثّہ جانور
کو چاروں طرف سے ٹٹول کے دیکھا - ہاتھی چلا گیا - اب ان چاروں
نے ہاتھی کی نسبت اپنا اپنا احساس بیان کرنا شروع کیا - ایک بولا
اللہ اکبر! ہاتھی بھی کیسا بڑا جانور ہی - عین مین جیسے کوئی بڑا ستون
یا لکڑی کا لٹھا - دوسرا - یار! تم نے غلطی کی - ہاتھی تو نہیں تم نے
کسی ستون کو ٹٹولا ہوگا - میرے نزدیک تو ہاتھی ایک بڑا موٹا
رسّا ہی جس کے سرے پر بالوں کا گچھّا ہی - تیسرا - ارے تم دونوں
مغالطے میں ہو - تم نے ہاتھی کے بدلے اور کچھ دیکھ لیا ہوگا - ہاتھی
صرف ایک بڑے پنکھے کی طرح ہی - چوتھا - ارے یارو تم کیا بک
رہے ہو - اگر تم نے سچ مُچ ہاتھی دیکھا ہوتا تو ایسا اوٹ پٹانگ نہ

[۱] وہ خود ہی گم ہی، اوروں کی رہبری کیا خاک کرے گا - ۱۲

کو پسینے میں شرابور آتا۔ جلدی جلدی کچھ کھایا اور کچھ نہ کھایا کہ چلا
پھر بڑی رات گئے گھر آتا۔ گھر والے حیران تھے کہ یہ کہاں جاتا ہی
اور دن بھر کیا کرتا ہی؟ جب پوچھو یہی جواب ملتا "میں کام کو جاتا
ہوں" مگر وہ کام کس بلا کا تھا اور کیا تھا کسی کو خبر نہیں۔ ایک
دن ایک دوست چپکے سے اس کے پیچھے لگ لیا کہ دیکھیں تو یہی
یہ کہاں جاتا ہی اور کیا کرتا ہی؟ یہ جنگل میں پونہچا جاتے ہی کپڑے
اُتار دھوتی کو کمر سے باندھا اس نے اس کھیت سے ٹوکریاں
بھر بھر کے مٹّی کی اُس کھیت میں ڈالنی شروع کی۔ جب تک چوٹی کا
پسینہ ایڑی میں نہ آتا یہی کام تھا اور جب ذرا سستاتا یہ کہتا "اُب
مجھ میں سکت نہیں رہی، میں کب تک یہ زحمت اُٹھاؤں گا؟"
وہ جو شخص پیچھے لگا تھا اُس نے سامنے آکر پوچھا "تم یہ بے کار زحمت
کیوں اُٹھا رہے ہو؟"
دیوانے نے جواب دیا "کیا ایک میں ہی دیوانہ ہوں، ارے تم سب
کے سب دیوانے ہو جس کو دیکھو اسی طرح دیوانہ وار کسی نہ کسی
کام میں لپٹا ہوا ہی، تم نے کبھی میرا ہاتھ تو نہ بٹایا مگر اب طعنہ دینے
کو آموجود ہوئے"
حاصل اس حکایت کا یہ ہی کہ ہر شخص[a] بخیالِ خویش خبطے دارد جس

a ہر شخص اپنے اپنے خیال کے خبط میں گرفتار ہی۔ ۱۲

سے قتل کا ارتکاب کیا ہے؟

کالورام - یس (ہاں)۔ مجسٹریٹ - کیا تم اپنے بچاؤ کے لیئے کوئی صفائی پیش کرنا چاہتے ہو؟

کالورام - نو (نہیں)

مجسٹریٹ - تب تم کو پھانسی کی سزا دی جائے گی۔

کالورام - وری ول (بہت اچّھا)

ابھی کالورام کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ صاحب نے پوچھا کیا اور وہ کہہ گیا کیا کہ پولیس والوں نے دھر لیا۔ تب آنکھیں کھُلیں اور ہوش میں آ کر بنگالی میں کہا کہ میرا کیا قصور رہی؟ اُس نے لاکھ کہا مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی ان کے یس - نو - وری ول نے ان کو پھانسی پر چڑھوا دیا۔ ؎

آں کس کہ نہ داند و بداند کہ بداند[1] ※ در جہلِ مرکّب ابدالدہر بماند

(۱۰۳) زحمت کے بغیر راحت نہیں۔ ایک غریب آدمی کو دولت مند بننے کا شوق چرّایا۔ وہ ایک عامل کے پاس جا کر کسی تعویذ کا طالب ہوا۔ عامل کے تابع موکّل تھے۔ عامل نے ہر چند منع کیا کہ تم اس جھگڑے میں نہ پڑو مگر وہ نہ مانا۔ ناچار اُنہوں نے ایک ایسا عمل بتا دیا جس سے ہمزاد تابع ہو گیا۔ ہمزاد نے آتے ہی کہا حکم؟

[1] جو باوجود کچھ نہ جاننے کے یہ زعم کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے ایسا شخص ہمیشہ جہالت میں غرق رہتا ہے۔ ۱۲

علم سے بے بہرہ ہوں نہیں سمجھ سکا۔ میرے باپ نے مجھے نہ پڑھایا نہ لکھایا لاڈھی لاڈ میں میری مٹّی پلید کی لہٰذا غصّے میں مجھ سے یہ حرکت سرزد ہوئی۔

راجہ۔ یہ سب سہی (وزیر کی طرف مخاطب ہوکر) مگر تم کہو کہ تمہارا کیا جواب ہی؟۔

وزیر۔ **پرتھوی ناتھ** (جہاں پناہ) میں اسی کو غنیمت سمجھا کہ جاہلِ مطلق اور اُجڈ نے ایک تھپّڑ مارنے ہی پر اکتفا کیا ورنہ خدا جانے اور کیا کر بیٹھتا ہ۔ ع "مرا ز خیر تو اُمید نیست شر مرساں"

(۱۰۲) **نیم حکیم خطرۂ جان، نیم ملّا خطرۂ ایمان**۔ اوائلِ دورِ حکومت انگریزی میں بنگال میں بھی انگریزی کا رواج بالکل کم تھا۔ **کالورام بنگالی** نے صرف تین لفظ سیکھ لیئے تھے **یس۔ نو۔ وری ول** وہ موقع بے موقع یہی تین لفظ بول کر اندھوں میں کانا راجہ **انگریزی داں** مشہور ہوگئے۔ ایک دن ان کے گاؤں کو ایک **یورپین مجسٹریٹ** ایک ڈکیتی مع قتل کی تحقیقات کو آگیا۔ گاؤں والوں کی طرف کالورام چوں کہ انگریزی داں مشہور تھے بات چیت کرنے کو پیش کئے گئے۔

مجسٹریٹ (کالورام سے) کیا تم نے رام پور میں اتوار کی شب میں ڈکیتی

ا۔ ایمان کا خطرہ ہی ۱۰۲

مجھے تم سے بہتری کی اُمید نہیں تو خیر برائی بھی نہ کرو۔ ۱۰۲ ادھ کچرے حکیم سے جان کا خطرہ ہی اور اسی طرح ادھ کچرے ملّا سے

بگلوں کا چھاڑ کا چھاڑ نکلا۔ یہ عجیب واقعہ سُن کر پنڈت جی کے پاس
گاؤں کے بہت سے لوگ آئے کہ ہم بھی دیکھیں گے کہ پنڈت جی
کے پیٹ سے زندہ بگلے کیسے نکلے۔ غرض پر کا کوّا بن گیا اور یہ خبر
اطراف و اکناف کے مواضع میں کچھ اور نمک مرچ لگا کے پہونچی
کئی دن تک سیکڑوں لوگ تماشہ دیکھنے کو چلے آتے تھے پنڈت
جی کا دم ناک میں آگیا۔ بے چارے گاؤں چھوڑ کے چلے گئے۔ چند
دنوں میں جب یہ خبر دب دبا گئی جب کہیں اپنے گھر بمشکل واپس آئے
زبانِ خلق کو نقارۂ خدا کہیئے ٭ بجا کہے جسے عالم اُسے بجا کہیئے

(۱۰۱) دیر[1] آید درست آید۔ کسی راجہ کے سامنے ایک ڈراما
ہو رہا تھا ایک ایکٹرس نے کچھ نظم گائی جس کا مضمون یہ تھا۔
شب[2] بخیر گزشت، صبح قریب ہونے والی ہے۔ بہتر ہے کہ کچھ دیر صبر کرو اور صبح ہونے
کا منتظر رہ۔ راج کمار یہ نظم سُن کر ایسا خوش ہوا کہ جھٹ اپنی
شال اُتار کے دے دی۔ راج کماری نے اپنی انگوٹھی اُتار
داسی (ایکٹرس) کو دے دی۔ ان کے بعد منتری (وزیر) زادہ
اُٹھا اور جہاں اُس کا باپ بیٹھا تھا پہونچ کر اُس کے مُنہ پر ایک تھپڑ
کھینچ مارا۔ راجہ ان سب باتوں سے بہت متحیر ہوا، فوراً تماشہ
بند کر دیا۔ پہلے راج کمار سے پوچھا کہ ایک معمولی نظم نے تجھ پر ایسا کیا

خیریت سے گزری - ۱۲

[1] جو کام سہولیت سے کیا جاتا ہے وہ ٹھیک ہوتا ہے۔ جلدی کام شیطان کا، دھیرے کام رحمٰن کا۔ [2] رات

ہمسائی۔ ای بوا سچ کہو! بگلے کی پر۔ الٰہی میری توبہ ہے! خیر یہ بات تم نے
مجھ سے کہی تو کہی مگر خبردار کسی اور سے نہ کہنا ورنہ ابھی ساری بستی میں
گھر گھر اس کا چرچہ ہو جائے گا اور بات کا بتنگڑ بن جائے گا۔ یہ سنتے
ہی ہمسائی کے پیٹ میں کھلبلی مچی، چوہے دوڑنے لگے۔ کام کا بہانا
کرکے جبھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ لو بوا میں جاتی ہوں۔ گھر تک جانا وبال
ہو گیا کب گھر پونہچوں کب پیٹ ہلکا کروں۔ گھر پونہچتے تک بھی صبر
نہ ہو سکا۔ راستے میں جان پہچان کی ایک عورت مل گئی اُس جاتی کو
پکار کے اپنے پاس بُلایا۔ ذرا کی ذرا میری ایک بات سُنتی جانا۔ میں تم
سے ایک عجیب بات کہتی ہوں۔ مگر تمہیں قسم ہے میری جان کی کسی سے
کہنا نہیں۔ یہ جو پنڈت جی سامنے رہتے ہیں نا انہوں نے آج قے
کی۔ قے میں کیا نکلا بگلا۔ کہو تم کیا کہتی ہو؟"

عورت۔ اوئی! غضبِ خدا کسی نے قے میں آج تک بگلا بھی ڈالا ہے۔
مجھے تو یقین آتا نہیں۔ پیٹ میں بگلا رہا کیسے ہوگا ہے۔ خیر مجھے کیا
غرض، میں کسی سے کیوں کہنے چلی۔

ایک اور عورت نے اُڑتی پڑتی خبر سُنی کہ پنڈت جی کی قے میں آج
کئی زندہ بگلے نکلے گھنٹے دو گھنٹے نہ گزرے تھے کہ سارے گاؤں
میں جس کے منہ سے سُنو یہی کہ پنڈت جی کے پیٹ میں سے آج

کی ایک عورت ملنے آئی۔ سب سے پہلی بات جو پنڈتانی نے کی وہ یہ تھی "بوا!
کیا کہوں؟ آج میں سخت پریشان ہوں، میرا دل ٹھکانے نہیں۔ لیکن کیا
کروں پنڈت جی نے بہت تاکید کر دی ہو کہ کسی سے کہنا نہیں"۔
ہمسائی۔ مجھے ایسی پرچول نہیں کہ دوسروں کے معاملات کی کُرید کروں
جب تمہارے میاں نے منع کر دیا ہو تو بہتر یہی ہو کہ اُس بات کو تم
اپنے ہی تک رکھو۔ کسی سے کہو کیوں؟۔
پنڈتانی۔ ہاں بات تو یہی ہو مگر اس میں پنڈت جی کی جان کا خطرہ ہو۔ مجھے
مشورے کی ضرورت ہو۔ تمہاری میری دانت کاٹی روٹی ہو، تم میری
راز دار ہو، تم سے کس بات کا پردہ ہو۔ اگر تم قسم کھاؤ کہ کسی سے نہ کہو گی
تو میں صرف تم سے کہہ دینے میں کچھ مضایقہ بھی نہیں۔
ہمسائی۔ میں نے تمہاری بات کبھی کسی سے کہی ہو؟ میں ایسے ہلکے پیٹ
کی نہیں نہ چغل خور نہ لُتری یہ میری عادت نہیں کہ اِدھر کی اُدھر
لگاؤں۔ جہاں کی بات وہیں رکھتی ہوں۔
پنڈتانی۔ مجھے تمہاری عادت معلوم ہو، تم پر بھروسہ ہو، جبھی تو تم سے
کہتی ہوں کان ذرا پاس لاؤ، وہ بات یہ ہو "آج پنڈت جی جب باہر
سے آ رہے تھے اُن کو ایک دم ایسے زور کی کھانسی اُٹھی کہ پیٹ میں
سانس نہ سمایا آخر کو اُلٹی ہو گئی اور نکلا کیا؟ بہت سارے بگلے کے پر۔

بڑے بھائی کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ شخص نہ لکھا نہ پڑھا اور نام محمد فاضل
یہ بازی لے گیا اور میں پھسڈی رہ گیا۔ اُس دن سے پنڈت جی
سمجھ گئے کہ دُنیا میں صرف علم ہی کام نہیں آتا بلکہ اس کے ساتھ
کچھ دُنیا کے نشیب و فراز زمانے کے لیل و نہار کا بھی جاننا ضروری ہے۔

رباعی

ہاتھ آتی ہے کب علم و ہنر سے دولت ملتی ہے قضا و قدر سے دولت
جو علم و ہنر رکھتے ہیں وہ ہیں محروم مانوس ہے بل احمق و خر سے دولت

(۱۰۰) ہونٹوں نکلی کوٹھوں چڑھی۔ سہ

[1] خاموشی بہ کہ ضمیر دل خویش * با کسے گفتن و گفتن کہ مگو

ایک مرتبہ کسی پنڈت کو جب وہ کھیت سے گھر واپس آرہا تھا بڑے
زور کی کھانسی اُٹھی کھانستے کھانستے بمشکل بلغم کا اخراج ہوا غور
سے دیکھا تو خدا جانے کیا سبب اُس میں بگلے کا ایک چھوٹا سا
پر لپٹا ہوا تھا۔ بہت غور کیا کچھ سمجھ میں نہ آیا آخر سمجھ میں آیا تو یہی
کہ پر حلق ہی سے نکلا ہے۔ پنڈت جی کو بڑا تردد ہوا، اپنی بیوی
سے ذکر کیا کہ آج یہ عجیب بات ہوئی مگر خبردار کسی سے بھول
کے بھی اس کا ذکر نہ کیجو ورنہ سخت مشکل کا سامنا ہوگا۔ عورتیں
بڑے ہلکے پیٹ کی ہوتی ہیں اُن کو کسی بات کا پچانا سخت مشکل
ہے۔ پنڈتانی کے پیٹ میں کھلبلی مچ گئی۔ ذرا دیر نہ گزری تھی کہ پڑوس

[1] اپنے دل کا بھید کسی اور سے کہنا اور پھر یہ کہنا کہ کسی سے نہ کہنا اس سے یہی بہتر ہے کہ خود خاموش رہو۔ ۱۲

ڈینگ خاک میں مل گئی۔ ؎

بدنہ بولے زیرِ گردوں گر کوئی میری سنے ٭ یہ ہو گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

راجہ صاحب نے فرمایا۔ بے شک تم بڑے بھاری پنڈت ہو تم نے معقول جواب دیا ورنہ آج تک یہاں سے سب زک پاکر ہی گئے۔ اچھا ہم جب جانیں کہ تم ہمارے دل کی بات بتاؤ۔

پنڈت جی۔ یہ کون سی بڑی بات ہی ابھی لیجیے مگر شرط یہ ہی کہ اگر جواب راست ہو تو آپ صاف صاف اسے تسلیم کر لیں۔ اور مجھے معقول صلہ دیں۔ راجہ نے کہا اچھا ہمیں منظور۔

پنڈت جی۔ اچھا راجہ صاحب، غور سے سنیئے آپ کے دل میں سب سے زیادہ خیال اس بات کا ہی کہ آپ کی رعایا خوش حال اور فارغ البال رہے۔ آپ پاکباز انہ زندگی بسر کر کے سیدھے بیکنٹھ کو جانے کی آرزو رکھتے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ راج کمار آپ سے بھی بڑھ کے نامور اور خوش حال ہو۔ اب سب کے سامنے جھٹ پٹ فرمایئے کہ میں نے جو کچھ کہا وہ راست راست ہی یا نہیں ؟۔ راجہ کو سوائے ہاں کہنے کے چارہ کار نہ تھا۔ اب اقرار پورا کرنا پڑا۔ پنڈت جی کو بیش بہا خلعت اور معقول انعام دے کر رخصت کیا۔ جب دونوں بھائی ملے تو

کہ چلو اچھا ہوا ایک اور شکار ہاتھ آیا۔ وہاں پونہچتے دیر نہ ہوئی تھی کہ راجہ کے مصاحبوں میں سے ایک بڑبولے کہنے لگے۔ پنڈت جی ذرا سنبھل کے بات کیجیے گا۔ یہاں بڑے بڑے پنڈتوں کو نیچا دیکھنا پڑا ہی۔ تم جیسے بہت سے آئے اور چلے گئے مگر ہماری باتوں کا جواب نہ بن پڑا۔ خیر ہمیں گو ہمیں میدان۔ آپ کی حقیقت بھی ابھی کھل جاتی ہو زیادہ نہیں آپ صرف ایک لفظ **گھا نور گھُوں** کے معنے بتلائیے۔ چھوٹے پنڈت جی نے اس بیہودہ گو کے مُنہ پر تڑسے ایک تھپڑ رسید کیا اور کہا اُبے اُلّو کے پٹّھے تو پوری بات تو بولتا ہی نہیں، مطلب کوئی کیا خاک بیان کرے۔ تو تو کیا کہے گا اے مجھ سے سُن،،

آگے چُرڑ چُرڑ[1] پاچھے چُوں چُوں ۔ تاکے پاچھے گھا نور گھُوں

یہ جواب سُن کر سب حیرت میں رہ گئے اور بے ساختہ تعریف کرنے لگے۔ واہ پنڈت جی واہ۔ آپ نے خوب جواب دیا بے شک آپ بڑے قابل اور ذی علم ہیں۔ جس بڑبولے نے سوال کیا تھا وہ تو ایسا دبکا گویا اُسے سانپ سونگھ گیا اور اُس کی ساری

[1] دودھ جب ٹلوئی میں دھونے کو بیٹھتے ہیں تو پہلے آواز "چُرڑ، چُرڑ" کی آواز نکلتی ہو پھر ذرا ٹلوئی بھری اور آواز بدلی پھر "چُوں چُوں" کی آواز نکلنے لگتی ہو اور جب ٹلوئی بھرنے کو آئی تو پھر آواز میں "گھا نور گھُوں" کی صدا نکلتی ہے۔ ۱۲

پھر راجہ نے خود یوں سلسلۂ سخن شروع کیا کہ آپ کے علم و فضل
میں کچھ کلام نہیں۔ مگر ہم تو جب جانیں کہ آپ میرے دل کی بات
بتا دیں۔ پنڈت جی نے کہا آپ دیاکرن، شاستر، وید، فلسفہ،
نجوم، ہیئات کسی علم میں بھی مجھ سے سوال کریں تو میں بے شک
جواب دے سکتا ہوں۔ مگر غیب کی بات بتانا میری قوت سے
خارج ہی یہ کام **جوگیوں** کا ہی جو پہاڑوں کی کھوؤں میں بیٹھے
ریاضت کرتے ہیں۔ ہم پنڈت ہیں جوگی نہیں۔ ہم نے تو صرف
علم حاصل کیا ہی۔ اس جواب پر بھی مذاق اڑایا گیا اور پنڈت جی
ان لوگوں کی بدتمیزی سے حد درجہ خجل ہو کر بڑی آزردگی کی
حالت میں چلے آئے۔ چھوٹے بھائی نے یہاں رسوئی تیار
کر رکھی تھی۔ مگر پنڈت جی ایسے کبیدہ خاطر تھے کہ انہوں نے اسی
پیچ و تاب میں کھانا بھی نہ کھایا۔ چھوٹے بھائی نے جب یہ حال
سنا تو کہا آپ کھانا تو کھائیے۔ ہر فرعونے را موسیٰ آپ دیکھئے
تو میں ان نالائقوں کو کیسا گلّہ بگلّہ جواب دیتا ہوں۔ مجھ جیسا
لکڑ توڑ ہی ان اجڈوں سے سر برآئے گا۔ یہ کہہ کر ایک عمدہ
دھوتی باندھ تلک ولک لگا آپ راجہ کے پاس گئے۔ ابھی وہاں
بڑے بھائی کا مذاق اڑایا ہی جا رہا تھا ان کو آتے دیکھ کر وہ سمجھے

الله

وہ تحصیل علم سے فارغ ہوکر آئے تو بیوی بہت خوش ہوئی۔ ایک دن چولھے پر دودھ چڑھا ہوا تھا۔ پنڈت جی کو ہاتھ پاؤں دھونے کے لیئے پانی کی ضرورت ہوئی۔ گھر میں کوئی آدمی تھا نہیں۔ بیوی نے کہا میں ابھی کنوئیں سے پانی لائی ذرا تم دیکھتے رہنا کہ دودھ اُبل نہ جائے۔ ذرا دیر میں دودھ کو اُبال آیا پنڈت جی نے **منتر** اور **شستر** (مقولے) پڑھنے شروع کیے مگر کچھ کام نہ چلا۔ اتنے میں گھر والی آگئی۔ دیکھتی کیا ہے کہ دودھ اُبل رہا ہے، اُس نے ایک چھینٹا ٹھنڈے پانی کا دیا وہیں اُبال تھم گیا۔ پنڈت جی یہ دیکھ کر حیرت میں رہے اور سمجھے کہ میں نے اتنا کچھ پڑھا مگر مجھ سے جو کام نہ ہو سکا اس نے ذرا سی دیر میں کر دیا یہ تو بس معجزہ ہی ہوا۔ بیوی نے کہا کہ تم تو خاصے پڑھے لکھے بیوقوف ہو۔

نہ محقق بود نہ دانش مند ※ چارپائے بروکتابے چند

(۹۹) **سمجھ سے کام لینا۔** بنارس کے ایک پنڈت جی کے تبحر علم اور فضل وکمال کا بڑا شہرہ تھا اُن کے ایک چھوٹا بھائی بھی تھا۔ جو بڑے بھائی کی طرح عالم و فاضل نہ تھا مگر پھر بھی بڑا چلتا پُرزہ تھا عقلِ دنیاوی اُس میں خوب تھی۔ چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی کا بڑا ادب و احترام کرتا تھا جیسا کہ ہر چھوٹے کا فرضِ انسانیت ہے۔

جن۔ ایک انگلی دکھا کر میں نے یہ پوچھا تھا کہ آیا نیچر کا اصول صرف ایک ہی ہی یا کچھ اور۔ اُس نے جواب دیا کہ دو اصول ہیں مادّہ اور روح۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ تو زمین پر کیسے کھڑا ہی گر کیوں نہیں پڑتا۔ اس نے جواب دیا کہ یہ قوتِ کشش ہی جو ہر چیز کو تھامے ہوئے ہی اور اس کی تشریح کو دکر بتائی۔ یہ کہہ کر جن نے راجہ کو ایک بیش قیمت جواہر دیا اور کہا کہ یہ آپ اس لڑکے کو بطور انعام دے دیں۔ راجہ نے انعام دیتے وقت مجمع عام میں لڑکے کی حذاقت اور ذکاوت کی بڑی تعریف کی اور پوچھا کہ مجھے تعجب ہی کہ تجھے سائنس اور فلسفہ کی باتیں کیسے معلوم ہوئیں ؟" لڑکے نے جواب دیا۔ مہاراج ! یہ تو بہت آسان بات تھی۔ جن نے ایک انگلی دکھا کر کہا میں تیری ایک آنکھ پھوڑ دوں گا۔ میں نے دو انگلیاں دکھا کر کہا میں تیری دونوں آنکھیں پھوڑ دوں گا۔ تب اُس نے اپنے ہاتھ پھیلا کر یہ کہا کہ میں تجھے اُٹھا کے پٹخ دوں گا۔ میں نے کہا کہ میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا میں زمین پر گرتے ہی بھاگ جاؤں گا۔

(۹۸) پڑھا لکھا بیوقوف۔ ایک پنڈت جی بڑے عالم تھے۔ چاروں وید اور شاستر اُن کو ازبر تھے۔ بنارس سے جب

کوئی آپ کے سوالات کا جواب دینے پر آمادہ نہیں مگر یہ ایک لڑکا
ہے۔ آپ جانیں یہ جانے۔ ایک دربارِ عام میں دونوں کا مقابلہ ہوا
جن نے سوال کے طور پر ایک انگلی اٹھائی۔ لڑکے نے دو۔ پھر جن
نے اپنے دونوں ہاتھ لڑکے کی طرف پھیلائے اور اس کے بعد
آسمان کی طرف جنبش دی۔ لڑکے نے اپنے ہاتھ زمین کی طرف
پھیلا کر ایک چھلانگ ماری۔ لوگ یہ حرکات دیکھ کر سخت حیرت
میں تھے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے کہ ناگاہ جن کے چہرے پر اطمینان
اور بشاشت کے آثار نمایاں ہوئے اور وہ راجہ کی طرف بڑھا۔
راجہ خود انگشت بدنداں (حیران) تھا کہ جن نے اس لونڈے کو کیسے چھوڑ دیا
ورنہ اس ظالم کے پنجے سے کس نے رہائی پائی ہے۔ راجہ بھی خوش
ہوگیا کہ غریب کی جان بچی۔ جن نے کہا کہ راجہ صاحب آپ کا
لڑکا تو بازی جیت گیا اگرچہ میرے سوالات بہت سخت تھے
مگر اس نے میرے سوالات کا بالکل صحیح صحیح جواب دیا۔ یہ لڑکا
بڑا سمجھ دار ہے۔ دوسرے کسی سے میرے سوالات کا جواب
بن نہ پڑا۔ مگر اس نے کمال کیا میں اسے خاطر خواہ انعام موعودہ
دوں گا۔ اب جن نے دربارِ عام میں اپنے سوالات اور لڑکے
کے جوابات کی صراحت شروع کی :-

ٹوٹ گئی۔ باپ دوڑا بیٹے کو اس حال میں دیکھ کر بہت کڑھا
اور بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا **آبھے ہنگ اُچھالے ٹھنگ**[1]
میں بیوقوف تھا کہ محض تقدیر کے بھروسے خیالی پلاؤ پکاتا رہا سے
تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل * کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را[2]
(۹۷) **جن اور چھوکرا**۔ کسی زمانے میں ایک جن تھا وہ کہتا
تھا کہ جو میرے سوالات کا جواب اشاروں ہی اشاروں دے گا
میں اُسے مالا مال کر دوں گا اور جو نہ دے گا اُسے مار ڈالوں گا
سیکڑوں آدمی انعام کے لالچ میں آگے بڑھے مگر ناکامیاب
رہے اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھے پھرتے پھراتے جن صاحب
کسی راجہ کی سٹیٹ میں جا دھمکے۔ راجہ پہلے ہی سے بیچے دل
کا تھا ان کا آنا سن کر بہت پریشان ہوا اور چاہا کہ اس بلا
کو کچھ دے دلا کر ٹالے اور صاف کہہ دے کہ اس کو دیس میں کوئی
شخص ایسا نہیں جو آپ کے سوالات کا جواب دے سکے
کہ اتنے میں ایک گڈریے کا لونڈا سامنے آیا ہر چند اُسے سمجھایا
کہ کیوں مفت میں اپنی جان گنواتا ہے اس ارادے سے باز آ مگر وہ
نہ مانا۔ راجہ نے مجبور ہو کر جن سے کہا کہ میری ریاست میں اور تو

[1] بنگالی کہاوت ہے "ٹانگ کھو کے مینڈک بگڑنا" یہ مثل کوہ کندن وکاہ برآوردن کے ہم معنی ہے ۱۲

[2] بدنصیبوں کو اگر کوئی کامل رہنما بھی مل جائے تو بے کار جس طرح خضر سکندر کو چشمۂ آبِ حیات پر لے گئے اور خالی واپس آئے

نے جل کر اس سنکھ کا نام گپوڑے (گپی) رکھا کہ "سو گز وار دں ایک گز نہ پھاڑوں" کا مصداق ہو تب سے بکواسی اور لباڑیئے کو گپوڑے سنکھ کہنے لگے۔

(۹۶) اپنی اپنی تقدیر ہے

ہم نے پھولوں کو چھوا مرجھا گئے کانٹے ہوئے
تم نے کانٹوں پر قدم رکھا گلستاں کر دیا

ایک راجہ کا لڑکا اور ایک لساطی کا چھوکرا دونوں ایک ہی دن ایک ہی وقت پیدا ہوئے۔ لساطی کو گھڑی ساعت پر اعتقاد تھا دل میں خوش ہوا کہ جب راجہ کے لڑکے کی اور میرے لڑکے کی پیدائش کی ساعت ایک ہی ہے تو یہ بھی بھاگوان اور خوش نصیب ہوگا۔ بیس برس انتظار ہی انتظار میں گزرے مگر کوئی نئی بات پیش نہ آئی۔ بیسویں برس راجہ کا لڑکا شکار کو نکلا۔ کئی شیر مارے وہیں سے ایک سرحد کے راجہ کے علاقے میں چلا گیا۔ جس نے اس کی بڑی خاطر تواضع کی، یہاں تک کہ اپنی لڑکی کی جو بڑی حسینہ اور جمیلہ تھی اور جس کو راجہ اتفاقاً دیکھ کر ہزار جان سے عاشق ہو گیا تھا شادی کر دی۔ راجہ شکار سے واپس آیا اور بہت سے جانور مار کے لایا۔ خوب صورت بیوی ملی، جہیز اور

نے دوسرا سنکھ تبلایا اور کہا کہ تم نے میرا پہلا سنکھ لے لیا تو
کیا ہوا یہ اُس سے بدرجہا بہتر ہے۔ زمیندار نے سنکھ سے ہزار
روپئے طلب کیئے فوراً جواب ملا "یہ بہت کم ہیں اور مانگ"
زمیندار اُچھل پڑا۔ زمیندار نے کہا یہ سنکھ تو میرے ہاتھ بیچ
ڈال جو دام تو کہے گا وہ میں دوں گا۔ برہمن نے کہا کہ میں بیچتا
تو نہیں آپ یہ لے لیں اور میرا پہلا سنکھ دے دیں۔ زمیندار
نے خوشی سے برہمن کا سنکھ واپس دے دیا۔ برہمن نے
دوسرا سنکھ زمیندار کو دے دیا اور بھاگم بھاگ اپنے گھر کو چلا
زمیندار کو گھبراہٹ تھی کہ کہیں جلدی میرا گھر روپیوں سے بھر جائے
اس لیئے اُس نے اپنے سارے گھر کو خالی کرا کے سفیدی کرائی
جب کمرہ درست ہو گیا تو سنکھ کو ایک چوکی پہ رکھ کے کہا "تو
نے کہا تھا کہ ہزار روپئے کم ہیں تو اچھا ایک لاکھ دلوا۔ سنکھ
بولا صرف ایک لاکھ، چھی! کچھ اور بڑھ کے مانگ۔ زمیندار
اچھا تو کروڑ سہی۔ اسی طرح ہر دفعہ زمیندار تعداد میں بڑھتا
چلا گیا یہاں تک کہ گنتی بھی ختم ہو گئی اور سنکھ یہی کہتا گیا،
"ابھی اور بڑھ" آخر کار زمیندار زچ ہو گیا اور جان گیا کہ یہ شرف
دھوکے کی ٹٹی اور زبانی جمع خرچ ہے ملنا ملانا کچھ نہیں۔ زمیندار

رات کو برہمن نے زمیندار کو ہمدرد اور مہمان نواز سمجھ کے اپنا سارا قصہ کہہ دیا۔ صبح سویرے دریا پر برہمن اشنان کو گیا سنکھ زمیندار کے پاس رکھو آگیا۔ برہمن اُدھر گیا زمیندار صاحب نے کہا لاؤ ایک سنکھ کی آزمایش کریں کہ برہمن سچ کہتا ہی یا جھوٹ مگر بات سچ نکلی زمیندار نے جو مانگا سو ملا۔ اب برہمن اشنان کرکے واپس آیا اور گھر جانے کی طیّاری کرنے لگا۔ چلتے وقت اُس نے زمیندار سے اپنا سنکھ مانگا۔ کبھلا زمیندار ایسا بیوقوف نہ تھا کہ سونے کی چڑیا جو حُسنِ اتفاق سے ہاتھ لگی تھی دے دیتا زمیندار صاف مُکر گیا اور غریب برہمن کو دھکّے دے کر نکلوا دیا۔ یہ روتا پیٹتا پھر پلٹا اور اُسی درخت کے نیچے رات بھر دعا کرتا پڑا رہا۔ صبح کو پھر وہ دیوتا نمودار ہوا اور اس غریب برہمن کی گریہ وزاری اور بے قراری پر ترس کھاکے ایک دوسرا سنکھ اور دیا اور کہا کہ اس سنکھ کی خاصیت پہلے سے بھی بہتر ہی مگر تیرے کام کا نہیں تو اُسی زمیندار کے پاس جا اور اُس سے کہہ کہ یہ سنکھ پہلے سنکھ سے کہیں بہتر ہی۔ اس لالچ میں آکر وہ تیرا سنکھ تجھے دے دے گا یہ تو اُسے دے دیجو۔ زمیندار برہمن کو دیکھ کے گھبرایا۔ اب کے کچھ اور لایا ہوگا خوش ہوگئے۔ برہمن

قریب ایک مندر ہی) آبوجی (کوہِ آبو) ہوتا ہوا ناسک پہنچ گیا پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ تیسری تاریخ مر گیا ہو۔ پھر جو سب نے مل کر غور سے خط پڑھا تو معلوم ہوا کہ خط میں دراصل یہ لکھا تھا کہ **چاچاجی اجمیر گئے**۔ مارواڑی تحریر ہی ایسی ہے کہ "اجمیر" اور "آج مر" میں کچھ فرق نہیں۔ جب کہیں جا کے رونا دھونا موقوف ہوا۔

(۹۵) طمعؔ[1] راسہ حرف است ہر سہ تہی۔ ایک برہمن اور اُس کی جورو بہت مفلس اور سقیم الحال تھے کسی طرح گزارے کی صورت نہ تھی۔ پاس پڑوس کی عورتیں اور گودے ڈالتی تھیں۔ بیوی برہمن پر روز متقاضی تھی کہ گھر سے نکل اور کچھ کما کے لا۔ آخرکار برہمن سفر کو چلا گئی منزل چلنے کے بعد وہ ایک درخت کے سائے کے تلے دوپہر کو دم لینے کو بیٹھا اور پوجا کرنے لگا۔ اتنے میں ایک دیوتا انسان کی شکل میں آیا اور ایک **سنکھ** (ناقوس) دے کر کہا "اے غریب برہمن لے یہ سنکھ اس سے تو مانگ تیری روزانہ ضرورت کے موافق یہ تجھے روپیہ پیسہ دے گا۔" یہ کہہ کر وہ تو غائب ہوگیا اور برہمن اسے خدا کا عطیہ سمجھ کر بہت خوش ہوا کہ اب دلدّر پار ہوئے۔ دن ڈھل گیا تھا۔ شام قریب تھی یہ قریب کے گاؤں میں ایک زمیندار کے ہاں رات کی رات ٹھیر گیا

[1] طمع کے تین حرف ہیں اور تینوں (نقطوں سے) خالی۔ ۱۲

دولھا والوں کی طرف کا نائی بولا وار ٹھاڑ ہو تو جانی۔
یعنی جب دولھا کھڑا ہو جائے تو جانیں کہ تم جیتے ہم ہارے کیونکہ
دولھا لنگڑا تھا وہ بے سہارے کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ تب دونوں
طرف کے نائیوں نے اشاروں اشاروں میں بات کرلی کہ جوڑ
خوب ملا دلھن کانی دولھا لنگڑا۔

(۴۹) **ہندی تحریر کا خاکہ**۔ ایک مارواڑی کا لڑکا کھڑا رو
رہا تھا، اُس کو روتا دیکھ کے دوسرے مارواڑی اکٹھے ہو گئے کہ کیا
ماجرہ ہے۔ لڑکے نے خط سامنے ڈال دیا جس میں لکھا تھا۔
"**چاچا جی آج مر گئے**" خط کی تاریخ پانچ دن پہلے کی تھی۔ ایک
مارواڑی نے کہا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ خط تیسری تاریخ کا ہے اور ہم
نے خود تمہارے چچا کو ساتویں تاریخ ناسک کے اسٹیشن پر دیکھا ہے۔
میرے ساتھ **جوان مل** اور **کلیان مل** دو شخص اور بھی تھے وہ
اس کی تصدیق کریں گے۔ ہم نے اسے **جے سری کرشن**[1] کہا اُس
نے جواب دیا کہ میں تیرتھ کرتا پھرتا ہوں۔ دوسرا مارواڑی بولا
کیا کل تمہارے پاس تار نہیں آیا تھا جو تم میرے ہی پاس پڑھوانے
لائے تھے جس میں تمہارے چچا نے لکھا تھا کہ وہ پشکر سے اجمیر کے

[1] مارواڑیوں کا سلام۔ ۱۲

کہ اُن کے مُنہ سے کسی کے سامنے اس کی بھاپ تک نہ نکلے۔ کہ ایسا برچھا بنا تھا ورنہ یہ ترکیب مفت میں اُن کے ہاتھ آجائے گی۔

راجہ۔ کچھ بھی ہو یہ کام تو کرنا ہی ہوگا اور اس میں جتنی دیر ہوگی اُتنا ہی خطرہ ہے۔ لہذا بہت جلد اس کا انصرام ہونا چاہیئے۔ اچھا دس ہزار روپیئے تم خزانے سے اور لو اور اس کام کو پورا کرو۔

غرض وزیر نے اپنے گھر میں بیس ہزار کا گجا بھر لیا۔ اتنا ضرور ہوا اور چند دن کھٹر پٹر کی آواز راجہ کے کانوں میں پونہچتی رہی کہ برچھا ٹوٹ رہا ہے۔

(۹۳) **کانی دلھن لنگڑا دولھا**۔ ہندوستان کے دیہات میں جتنی شادیاں ہوتی ہیں اس میں نائی یا برہمن یا کسی نہ کسی بیچ والے کا قدم درمیان ضرور ہوتا ہے۔ لڑکے یا لڑکی میں جو نقص ہوتا ہے اُسے اور بڑا کے چھپا دیتے ہیں۔ ایک ہوشیار نائی نے اپنی چالاکی سے ایک کانی لڑکی کو ایک خوبصورت لڑکے کے سر منڈھ دیا۔ نائی نے لڑکے کے والدین کو لڑکی کو کسی بہانے سے دکھا بھی دیا مگر یہ کہا کہ لڑکی بڑے شرم کی ہے وہ ممکن نہیں کہ اپنا چہرہ صاف کھول دے لڑکی کا گھونگٹ تو اُٹھایا مگر اس ترکیب سے کہ آنکھیں نہ کھلیں۔ غرض شادی ہوگئی تب دلھن کی طرف کا نائی بولا جگ جیت لینو میری کانی

روپیہ خزانے میں سے برآمد کرکے اپنا گھر بھر لیا مگر کچھ لوہار لگا دیئے کہ وہ سندان پر خالی ہتوڑا بجاتے رہیں کہ راجہ کے کان میں دھماکے کی آواز پونہچتی رہے۔ چند روز کے توقف کے بعد راجہ کو ڈونگر گاؤں کے راجہ سے انتقام لینے کا خیال آیا۔ وزیر سے بُلاکے پوچھا کہ اتنے دن ہوگئے کیا برچھا ابھی تک طیّار نہیں ہوا۔

وزیر۔ بالکل طیّار ہوگیا، صرف دو چار دن کا کام اور باقی ہی مگر مجھے اس میں ایک خدشہ معلوم دیتا ہی۔ راجہ۔ وہ کیا ؟

وزیر۔ وہ یہ کہ اگر خدانخواستہ برچھا دشمن نے چھین لیا تو کیا ہوگا۔ اِٹ بیٹھے اُٹ مارے کا معاملہ بالکل اُلٹ جائے گا۔ اور ہم مفت مارے پڑیں گے۔

راجہ۔ ٹھیک۔ بالکل ٹھیک۔ جاؤ جاؤ اُسے فوراً تڑوا دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ بنا بنایا غنیم کے ہاتھ پڑ جائے تو اور مشکل پڑے۔

وزیر۔ لیکن یہ کام کچھ آسان نہیں۔ اول تو فولاد کا توڑنا کارے دارد۔ اُس میں کم و بیش اتنا ہی خرچ ہوگا۔ جتنا کہ اُس کی طیاری میں ہوا۔ پھر تمام فولاد کو اتنی دور پھنکوانا ہوگا کہ دشمن کی پونہچ وہاں تک نہ ہو، اور سب سے بڑھ کر لوہاروں کو مُنہ بھرائی دینی ہوگی

مجھے نہایت گستاخانہ شقّہ لکھا ہی۔ اب ضرور ہوا کہ اُسے اِس گستاخی
کی قرار واقعی سزا دی جائے مگر مشکل یہ ہی کہ وہ بھی بڑا زبردست
ہی اُسے زک دینا مُنہ کا نوالا نہیں۔ تم کوئی ایسی تدبیر نکالو کہ
آئے دن کا جھگڑا اسٹ جائے۔ وزیر نے کچھ دیر سوچ کے
جواب دیا۔ "مہاراج میں نے ایک تدبیر سوچی ہی کہ ہم ایک
ایسا زبردست برچھا سو میل لمبا نبائیں جو "اِٹ بیٹھے
اُت مارے" (یعنی یہیں سے بیٹھے بیٹھے ہم اُسے ماریں)
راجہ کو یہ بات پسند آئی حکم دیا کہ اچھّا! دیر نہ کرو جلد ایسا
برچھا طیّار کراؤ۔

وزیر۔ لیکن اس میں خرچ بہت زیادہ ہوگا۔ برچھا خالص
فولاد کا ہونا چاہیئے جو دشمن کے قلب ٹ میں گھُس جائے۔

راجہ۔ بہت بہتر مگر تمہارے اندازے میں کیا خرچ ہوگا؟
کیا دس ہزار روپیہ کافی ہوگا؟

وزیر۔ بالکل کافی ہوگا۔

راجہ۔ اچھّا خزانے سے روپیہ لو اور کام فوراً شروع کردو۔
دو بات کا خیال رہے ایک تو یہ کہ جلد بن جائے۔ دوسرے
یہ کہ کسی کو کانوں کان اس راز کی خبر نہ ہو۔ وزیر نے

ہم کو دُنیا میں صرف اتنا ہی درکار ہی جو شرطِ زندگی ہی باقی سب کھٹراگ ہی۔ تم ابھی یہ ساری دولت اور نوکر جاکر بادشاہ کو بہت بہت شکریئے کے ساتھ واپس کرو اور کہو کہ ہم کو اگر سر چھپانے کو ایک جھونپڑی اور کچھ پیٹ پالنے کو مل جائے تو بس کافی ہی یہ دولت یہ گرو فر ہم غریبوں کے کس کام کا۔ یہ دولت یہ دنیاوی ساز و سامان ہماری رہی سہی خوشی اور طمانیت کو بھی غارت کرے گا۔ اس لیئے اس سے کنارہ کرنا ہی اولیٰ و انسب ہی۔"

برہمنی۔ آپ میرے شوہر میرے سر کے تاج ہیں آپ کا حکم میری سر آنکھوں پر۔ آپ جو فرماتے ہیں میں وہی کروں گی۔

بادشاہ نے جب یہ سُنا تو پنڈت کے ایثارِ نفس پر بہت خوش ہوا اور جو پنڈت جی کی خواہش تھی وہی کیا۔ اس بات نے پنڈت جی کی وقعت بادشاہ کی نظروں میں اضعافاً مضاعفہ کردی۔

(۹۲) اِٹ بیٹھے اُٹ مارے۔ ایک راجہ عقل کے دشمن وزرا کے پنجے میں گرفتار تھا۔ قریب کے ایک دوسرے راجہ سے آئے دن کا جھگڑا رہتا تھا۔ ایک دن وزیر کو بُلاکر راجہ نے یہ کہا کہ دیکھو آخر نوبت بہ ایں جا رسید کہ ڈونگر گاؤں کے راجہ نے

تم لوگوں نے میرے جورو بچّوں کو مار ڈالا اور بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ اب مجھ آفت کے مارے کا مذاق اُڑا رہے ہو۔ ڈرو خدا سے! برہمنی نے ایک نہ سُنی اور پنڈت جی کو گھسیٹ گھساٹ کے اندر لائی اور مسند تکیہ سے لگا کر بٹھایا اور خود لباسِ فاخرہ پھینک پھانک زیور اُتار اپنے اصلی زدہ لباس میں آئی اور کہا "دیکھو اب بھی مجھے پہچانتے ہو یا نہیں؟" اب میری داستان غور سے سُنو، یہ سارے کرشمے بادشاہ سلامت کی عنایت بے غایت اور پرورش کے ہیں جس نے ہمیں فقیر سے امیر بنا دیا[۱]

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیئے احوال ✻ کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

آہ! ہم نے کس تنگی تُرشی اور مصیبت سے پیٹ پر پتھر باندھ باندھ کے وہ دن کاٹے اب بھی جب اُس حالت کا مجھے خیال آجاتا ہے تو بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بھگوان وہ دن پھر نہ دکھائے!

برہمن یہ سب واقعات سُن کر کچھ دیر غوط میں گیا اور پھر کہا "تم نے یہ مال و متاع دنیوی لیا کیوں؟ ہم گداگروں کو اس سے واسطہ کیا؟ ؎

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند ✻ گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش[۱]

[۱] بادشاہوں کی باتیں بادشاہ ہی جانتے ہیں ہم غریبوں کو اس سے کیا سروکار؟ ۱۲

غریبوں کو بیچ کر کوڑے کر لیئے یا کسی ظالم نے مار ڈالا۔ اس خیال
کے آتے ہی پنڈت جی کے آنسو بے اختیار نکل پڑے۔ برہمنی
پہلے ہی اپنے نوکر چاکروں سے کہہ چکی تھی کہ اگر کوئی برہمن خستہ
حال انہیں مل جائے تو اُسے ضرور لے آنا۔ ایک نوکر نے ان کو
دیکھ کر ایک باندی سے کہا کہ رانی صاحب کو خبر کرو کہ ایک
شخص نہایت زدہ حال میں جو بظاہر برہمن معلوم ہوتا ہی
درِ دولت پر نہایت پریشان حال پڑا ہوا ہی۔ برہمنی سُنتے
ہی باہر نکل پڑی کہ دیکھوں وہی تو نہیں۔ لیکن برہمن نے
جوں ہی ایک عورت کو سر سے پاتک زیور میں غرق اور ایک
بھاری سی ساڑی پہنے ہوئے اپنی طرف آتے دیکھا بے اختیار
بھاگنا چاہا مگر ٹانگوں نے یاری نہ دی۔ لونڈی باندیوں نے
ان کو پکڑنا چاہا مگر یہ کسی طرح اُن کے قابو میں نہ آیا اور کہنے لگا "خبردار
جو تم نے مجھے چھوا ہوگا۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ غیر عورت کا
کسی مرد کو چھونا کیسا بڑا گناہ ہی، میں اپنی جورو برہمنی کی تلاش
میں نکلا ہوں اور تم مجھ سے ہاتھا پائی کر رہی ہو" برہمنی لپک
کر آگے بڑھی اور برہمن کا ہاتھ پکڑ کے کہا کہ "مجھے دیکھ! میں وہی
برہمنی ہوں" برہمن۔ "چل چُڑیل، تو میری برہمنی کیوں ہوتی

یہ خبر کوتوال نے بھی سُنی۔ بادشاہ کے عتاب سے ڈرا کہ ایسا نہ
ہو کہ مجھے لینے کے دینے پڑ جائیں۔ پنڈت جی کو حوالات سے
نکال ایک دور دراز مقام پرے جا جنگل بیابان میں چھوڑ دیا
کہ درندے جا تو اس کا پردہ ڈھک لیں گے تدبیر کنندہ تقدیر
کنندہ[1] خندہ وہ جنگل ان کے لیئے گلزار ہو گیا وہاں ایک درویش
ان کو ملا جس نے ان کو جنگل سے نکالا اور بڑی عزّت و احترام
سے اپنی جھونپڑی میں اُتارا۔ پنڈت جی کا ہڈّی چمڑا رہ گیا تھا
وہاں سے گرتے پڑتے بہزار دقّت و دشواری ایک مدّت کے
بعد اپنے گاؤں کو پوہنچے مگر دل میں کھٹکا تھا کہ ہنوز[2] آشں در کاسہ
بال بچّے خدا جانے زندہ ہیں یا بھوکوں مر گئے دیکھتے ہیں کہ
جس جگہ ان کی جھونپڑی تھی اُس کا نشان تک نہیں بلکہ اُس
مقام پر ایک سر بفلک پختہ محل کھڑا ہی۔ روشنی سے بقعۂ نور بنا ہوا ہی
اندر سے خوش وقتی و خوش بختی کی آوازیں آرہی ہیں، گانا بجانا
بھی ہو رہا ہی۔ پنڈت جی حق حیران سر جھکا کر بیٹھ گئے کہ ای
بھگوان، میری جھونپڑی کا نشان بھی مٹ گیا اور طرح طرح
کے پریشان خیالات کا تلاطم ہوا کہ خدا جانے برہمنی کا کیا انجام
ہوا۔ بچّوں پر کیا گزری۔ ضرور یا تو لونڈی غلام بنا کر کسی نے اُن

[1] انسان تدبیر کرتا ہی اور تقدیر اُس کی تدبیر پر ہنستی ہی۔ [2] وہی گھر یا وہی جالی جو پہلے تھی سو اب بھی ہی۔ ۱۲

سے نکالیں گے۔ ؎

زقدر و شوکتِ سلطاں نگشت چیزے کم ❊ زالتفات بمہانسرائے دہقانے
کلاہِ گوشۂ دہقاں بہ آسمانِ رسید ❊ کہ سایہ برسرش افگند چوں تو سلطانے

جھونپڑی پر پہونچ کر جو حالتِ زار بادشاہ نے پنڈت جی کے اہل وعیال کی بچشم خود ملاحظہ فرمائی اس سے بہت کچھ متاثر ہوئے حکم دیا کہ فوراً ایک عمدہ سامکان ان کے لیئے بنادیا جائے۔ بادشاہ کے مُنہ سے نکلنے کی دیر تھی سیکڑوں راج مزدور لگ گئے اور مکان بننے لگا۔ بادشاہ نے بہت سا روپیہ، زرد جواہر اور زیورات اور لونڈیاں تو برہمنی کے لیئے بھیجیں اور خود پنڈت جی کے لیئے بھی کئی ملازم متعین کیئے۔ گھر تو چند ہی دن میں بن کر طیّار ہوگیا اور برہمنی زیور سے لدی پھندی لونڈیاں ٹہل خدمت کو اب گویا رانی بن گئی۔ یہ سب کچھ تھا مگر برہمن کا پتہ نہ تھا نہیں معلوم کدھر کو یہ کہتا ہوا نکل گیا کہ ؎

ندانم از سر و سامانِ خود عمر لیست چوں کاکل
سیہ بختم پریشاں روزگارم خانہ بر دوشم

ہر چند چو طرف تلاش کی گئی مگر کسی کو یہ بھی خبر نہ ملی کہ پنڈت جی کہاں ہیں، کس حال میں ہیں اور ان کا کیا حشر ہوا ؟ شدہ شدہ

لہ کسی غریب کے گھر چلے جانے سے بادشاہ کی قدر و منزلت میں ذرا سا بھی فرق نہ آیا۔ لیکن بادشاہ کی سرپرستی سے اُس کی عزت بے انتہا بڑھ گئی۔ [illegible] میری (کم بختی) عمر کی درازی کی کچھ خبر نہیں اور میرا حال یہ ہے کہ بدنصیب ہوں اور گھر بار کا ٹھور ٹھکانا کچھ بھی نہیں۔ ۱۲

غرض سے بتلائی ہی کہ کسی نہ کسی طرح ہم گھوڑے واپس دے دیں
اس لیئے اگر تم داغنے کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو بھیّا
سیدھی طرح گھوڑے واپس کردو۔ اس کے سوائے کوئی
چارۂ کار نہیں اور صرف یہی ایک تدبیر گلوخلاصی کی ہی"
برہمنوں نے کہا "جان بچی لاکھوں پائے" اور سب یک زبان
ہو کر گھوڑوں کی واپسی پر آمادہ ہوگئے۔ تب اُس برہمن نے
راجہ کے حضور میں جا کر خواب کی تعبیر یوں بیان کی۔
"مہاراج! خواب کا مطلب جو حضور کے ذہن میں آیا ہی دراصل
وہ نہیں ہی بلکہ بات یہ ہی کہ راجہ صاحب آنجہانی کو اتنے گھوڑے
وہاں بار ہوگئے ہیں اور ان کو نکالنا چاہتے ہیں تو اس لیئے
سب سے بہتر اور آسان صورت یہ ہی کہ ہم بخوشی اُن گھوڑوں
کو واپس داخل کر دیتے ہیں" اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔
راجہ نے منظور کرلیا اور گھنٹہ بھر نہیں گزرنے پایا کہ سارے
گھوڑے اصطبل میں آکر بندھ گئے اور راجہ صاحب بغلیں بجانے لگے۔
(۹۱) **تواضع کم کن و بر مبلغ افزائے**۔ شہر دہلی کے قریب
کسی موضع میں ایک بڑا ذی علم اور شاعر پنڈت کس مپرسی کی
حالت میں رہتا تھا۔ اُس کے علم اور قابلیت کا وہاں کون قدردان

لہ زیادہ خاطر تواضع کی ضرورت نہیں، ہاں کچھ نقدی دلوائیے۔ ۱۲

اُن تک پوہنچے اس لیئے تم سب آمادہ ہو جاؤ میں حکیم کو بُلاتا ہوں کہ وہ ایک سرے سے تم سب کو داغ دے میرے والد سخت تکلیف میں مبتلا ہیں۔ میں جلد سے جلد اُن کا علاج کرانا چاہتا ہوں اس کارِ خیر میں تاخیر کا محل نہیں۔

بعض برہمن یہ سُن کر لرز گئے مگر اُن میں ایک برہمن بڑا چالاک تھا۔ وہ بولا۔ "مہاراج کو خدا سلامت رکھے اس خواب کی تعبیر بہت گہرے معنے رکھتی ہے۔ آپ ہم کو تھوڑی دیر مہلت دیجیے کہ ہم شاشتر وغیرہ سے مدد لے کر اس کا صحیح صحیح مطلب آپ سے عرض کریں گے"۔

راجہ نے کہا "اچھا، مگر دیر نہ لگانا، مجھے اُس وقت تک چین نہ پڑے گا۔ جب تک کہ اس کی کچھ نہ کچھ یکسوئی نہ ہو"۔

برہمن۔ "جی دیر کا کیا کام ہے ابھی چند منٹ میں ہم بلا کم و کاست عرض کیئے دیتے ہیں۔" یہ کہہ کر برہمن الگ بیٹھ کر آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے اور یہ برہمن جس نے راجہ سے معروضہ کیا تھا یوں کہنے لگا "کیا تم کو اس خواب کی تہ میں چال بازی نہیں معلوم ہوتی یہ کام سوائے راجہ کے مصاحب کے اور کسی کا نہیں ہے اُسی نے راجہ کو یہ تدبیر اس

اور پوچھ پوچھ؟"

مصاحب۔ آپ کل سویرے برہمنوں کو بُلا کر کہیئے کہ "میں نے اپنے والد کو رات پھر خواب میں دیکھا، میرے والد گھوڑے پر سے گر پڑے ہیں اور اُن کے سخت چوٹ آئی ہی جس کا علاج بجز داغ دینے کے نہیں ہی۔ والد نے فرمایا ہی کہ فوراً برہمنوں کو داغ دو کہ اُس کا اثر مجھ تک پوہنچے"

راجہ۔ واہ واہ! تم نے بھی کیا بہتر تدبیر سوچی ہی۔

دوسرے روز دن نہیں نکلے تک سب برہمن راجہ کے دربار میں حاضر ہوگئے۔ راجہ نے اُن کو مخاطب کرکے کہا "ای برہمنو! میں نے آج ایک بہت ہیبت ناک خواب دیکھا ہی کہ میرے والد ماجد کے پاس جو تم نے گھوڑے بھیجے تھے اُن میں سے ایک گھوڑے پر سے وہ گر پڑے اور بہت سخت چوٹ آئی ہی سارا جسم زخمی ہوگیا اور سخت کرب میں مبتلا ہیں۔ اُنکا علاج بجز داغ[۱] دینے کے نہیں ہی۔ اُنھوں نے مجھے حکم دیا ہی کہ میں تم سب کو داغ دوں تاکہ اُس داغ کا اثر تمہارے ذریعے سے

[۱] قدیم زمانے میں سب سے بہتر اور آخری علاج داغ دینا ہی سمجھا جاتا تھا جیسا کہ عربی کا مقولہ ہی آخر الدواء الکّی (آخری علاج داغ دینا ہی)۔ ۱۲

ہیں دیکھا کہ وہ گھوڑے پر سوار آئے ہیں۔ برہمنوں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی گئی۔ اُنہوں نے کہا کہ "اس خواب کا مطلب یہ ہی کہ آپ کے والد ماجد کو بدون اپنے عزیز گھوڑوں کے آرام چین نہیں ہی لہذا آپ کو چاہیئے کہ جو جو گھوڑے اُن کے پیارے تھے، برہمنوں کو خیرات دیں، تاکہ اُن کو مل جائیں" اصطبل کی جان وہی گھوڑے تھے تو راجۂ آنجہانی کے تھے۔ راجہ حال کو با دلِ ناخواستہ دینے پڑے ورنہ لوگ ان کو متہم کرتے کہ باپ کی خاطر ذرا سی تکلیف گوارا نہ کی گئی اور اُن کی روح کو صدمہ پہونچایا۔ برہمنوں کے مزے ہوگئے مگر راجہ کو اس بات کا صدمہ تھا۔ ایک دن راجہ کے ایک مصاحب نے جو بڑا مسخرا تھا پوچھا کہ "کیا سبب ہی جو آپ اس قدر چُپ چُپ ہیں؟" راجہ نے کہا "کیا کہوں کہ میں نے اصطبل کے بہتر سے بہتر گھوڑے تو برہمنوں کو دے دیئے اب جب کبھی میں اصطبل کی طرف جاتا ہوں تو میرا دل بہت کُڑھتا ہی"

مصاحب۔ آپ کو برہمنوں نے صریح دھوکا دیا ہی، اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک ایسی سہل ترکیب بتلاؤں کہ آپ کے گھوڑے سارے کے سارے واپس مل جائیں۔ راجہ نے کہا اُس سے کیا بہتر ہوگی

خلقت ہاتھی دیکھنے کو ٹوٹ پڑی مگر دیکھا ہو تو نام جانیں،
سب حق حیران تھے۔ تب ان کو خیال آیا کہ اوہو! بڑے میاں
شہر دیکھ آئے ہیں اور اُنہوں نے بڑی بڑی سیریں کی ہیں
وہ ضرور بتلا دیں گے۔ چنانچہ وہ آئے اور آتے ہی ہاتھی کو
دیکھ کر اُچھل پڑے اور کہنے لگے "کیوں میں نے بارہا تم سے
اس جانور کا ذکر نہیں کیا کہ میں نے کلکتے میں دیکھا ہی؟ یہ کچھ
کھاتا نہیں صرف ہوا پر جیتا ہی"، یہ یہ کہی رہے تھے کہ ہاتھی
نے کھیت میں سے ایک گٹھا بھر سونڈ سے مُنہ میں ڈال لیا۔ زمیندار
بولے ہاں شاید کبھی کھا بھی لیتا ہو تو مجھے خبر نہیں۔ میرے
دوست نے تو یہی کہا تھا کہ یہ کچھ کھاتا نہیں، لوگوں نے شور
مچانا شروع کیا "اجی! یہ سب تو ہوا مگر اس کا نام۔ نام بڑے
میاں کا حافظ بوجہ کبرسنی کے جھوجرا تھا، نام یاد نہ رہا جو نام
شہر میں سُنے تھے سب دماغ میں گڈمڈ ہو گئے۔ آخر کار سوچ
سوچ کے بولے زمین کا انڈا یہی ہی۔ پھر کیا تھا، جس کو دیکھو
یہی کہہ رہا ہی "آہا جی ہم نے زمین کا انڈا دیکھا، آہا جی ہم نے
زمین کا انڈا دیکھا"

(۹۰) **ایک راجہ کا خواب**۔ ایک راجہ نے اپنے باپ کو خواب

کہاکہ "یہ کچھ کھاتا پیتا نہیں، ہوا سونگھ کے جیتا ہے" وہیں بازار میں
بڑے میاں نے دیکھاکہ ایک ٹوکرا آلو بھرا رکھا ہے۔ گھبرا کے پوچھنے
لگے کہ اتنے بڑے انڈے تو میں نے کبھی نہیں دیکھے، یہ کیا ہے؟
شہری نے پہلے چوٹی دھروالی۔ تب کہاکہ یہ زمین کے انڈے
ہیں اور آلو کہلاتے ہیں۔ زمیندار نے دھوتی ٹٹولی تو تھوڑے
پیسے رہ گئے تھے لہذا سوالات کا سلسلہ بند کرنا پڑا۔ گوان کا
دل بہت چاہتا تھاکہ پوچھوں کہ زمین انڈے کیسے دیتی ہے مگر
پیسہ پاس نہ تھا۔ یہ بات دل کی دل ہی میں رہی، اُنہوں نے
دل میں کہاکہ اب کلکتہ بہت دیکھ لیا بس اپنے گاؤں کو واپس
چلیں۔ گاؤں میں پونہچنا تھاکہ ساری بستی اُلٹ آئی کہ زمیندار
صاحب کلکتہ دیکھ آئے چلو ان سے پوچھیں تو کہ کیا کیا دیکھا۔
دنوں شام کو لوگوں کا مجمع لگا رہتا اور یہ کلکتے کے عجائبات
فخراً بیان کرتے کہ میں نے چمنیاں۔ ہاتھی اور زمین کے
انڈے دیکھے۔ دیہاتی بے چارے حیران تھے اُن کے خیال
تک میں نہ آتا تھاکہ یہ چیزیں کیا ہیں۔ جب یہ بھیڑ ختم ہوگئی تو
اتفاقاً ایک رئیس ہاتھی پر سوار اس گاؤں پر سے گزرے۔ گاؤں
والوں نے جوں کہ ہاتھی کبھی دیکھا نہ تھا ایک اودھم مچ گئی ساری

(۷۷)

درخت ہاتھی کے برابر ہوتا ہے۔ بادشاہ یہ سُن کر مسکرایا۔ وزیر تاڑ گیا کہ بادشاہ نے میری بات کو گپ سمجھا فوراً وطن کو خط لکھ کر ایک قاصد کو بھیجا کہ چند پیڑ گیہوں کے بھیج دو۔ خط پہونچنے تک گیہوں کی فصل کٹ چکی تھی اس سبب سے سال بھر بعد وہاں سے گیہوں کے پیڑ آئے، وزیر نے بادشاہ کے سامنے پیش کیے اور عرض کیا کہ "فدوی نے سالِ گزشتہ عرض کیا تھا کہ میرے وطن میں گیہوں کا پیڑ ہاتھی کے قد کے برابر ہوتا ہے۔ حضور نے یہ سُن کر تبسم فرمایا میں سمجھا کہ حضور نے میرے معروضے کو غلط باور فرمایا اس لیئے غلام نے یہ درخت حاضر کیئے ہیں۔" بادشاہ نے کہا "اب مجھے یقین آگیا لیکن خبردار پھر کبھی ایسی بات مُنہ سے نہ نکالنا کہ جس کے ثبوت کے لیئے ایک برس کی مدت درکار ہو۔

(۸۶) ایک دن سارے گاؤں میں ایک اودھم مچ گئی کہ ایک لڑکے کی ماں نے تھوڑی سی مٹھائی اُس کو دے دی۔ لڑکے نے ستون کے گرد ہاتھ ڈال کے لے لی۔ اب ہاتھ چھوڑتا ہے تو مٹھائی گرتی ہے نہیں چھوڑتا ہے تو کب تک اس حال میں رہے غرض لڑکا بڑی مصیبت میں پھنس گیا کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا

(۵۷)

اُسے گلے لگالیا اور بہت کچھ سرفراز فرمایا۔

(۸۲) ایک دانش مند ایک شہر میں گیا سُنا کہ یہاں ایک شخص ہی جو بڑا متموّل، بڑا سخی اور بڑا مخیّر ہی جو مسافر آجاتا ہی اُس کی کھانے سے تواضع کرتا ہی۔ دانش مند اپنی روی حالت میں میلے کچیلے کپڑوں سے گیا۔ ان کی حیثیتِ گدائی دیکھ کر امیر نے کچھ توجہ نہ کی اور بیٹھنے تک کو جگہ نہ دی۔ دانش مند بہت شرمندہ ہوا دوسرے دن مانگے تانگے کے اچھے کپڑے پہن کر گیا۔ صاحبِ خانہ نے نہ صرف تعظیم وتکریم کی بلکہ اپنے نزدیک بٹھایا اور کھانے بھی عمدہ عمدہ سامنے رکھے۔ دانش مند جب کھانے کو بیٹھا تو ایک دو لقمے لباس کے دامن میں چھپالیئے۔ صاحبِ خانہ نے پوچھا "کیوں صاحب یہ کیا حرکت ہی؟" دانش مند نے کہا "کل میں خراب وخستہ لباس میں آیا تھا تو کسی نے میری بات تک نہ پوچھی، آج کہ میرا لباس عمدہ ہی کھانا بھی عمدہ ملا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ کھانا مجھ کو نہیں ملا بلکہ میرے لباس کو ملا ہی۔ صاحبِ خانہ شرمندہ ہوئے اور معذرت چاہی۔

(۸۳) ایک شخص بھوکا جا رہا تھا ایک اعرابی (بدو) کو دیکھا کہ ایک

اور آپ معاف نہ کریں اور اب ایسا آقا ملا ہی کہ سو گناہ روز بھی کروں تو وہ بخش دیتا ہی۔

(۸۱) کہتے ہیں کہ **سلطان محمود، ایاز** کو بہت چاہتا تھا۔ اس سبب سے سارے ارکانِ دولت اُس سے جلتے تھے انہوں نے بادشاہ سے چغلی کھائی کہ ایاز ہر روز جواہر خانے میں جاتا ہی معلوم ہوتا ہی کہ کچھ نہ کچھ چوری کرتا ہی ورنہ جواہر خانے میں اُس کا کیا کام۔ بادشاہ نے کہا کہ جب میں بچشمِ خود دیکھ لوں گا مجھے اعتبار آجائے گا۔ دوسرے ہی دن آکر بادشاہ کو خبر کی کہ لیجئے وہ جواہر خانے میں گیا ہی۔ بادشاہ نے کھڑکی میں سے جھانکا دیکھا کہ ایاز نے ایک صندوقچے کو کھول کر ایک میلی کچیلی لنگوٹی باندھ لی ہی۔ بادشاہ نے جواہر خانے کے اندر جاکر پوچھا "ایسے غلیظ کپڑے کیوں پہنے ہیں؟" ایاز نے عرض کیا "غلام جب حضور کی خدمت میں نہ تھا میرا یہی پھٹا پُرانا لباس تھا اب حضور کی بدولت لباسِ فاخرہ مجھے میسّر آیا۔ مگر میں روز اپنا پُرانا لباس اِس لیئے پہن لیتا ہوں کہ اپنی قدیم حالت کو بھول نہ جاؤں اور حضورِ والا کی عزّت افزائی کی قدر قرار واقعی میری پیشِ نظر رہے۔ بادشاہ کو ایاز کا یہ جواب بہت پسند آیا اور

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لیئے * قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے۔ (اقبال) ؎

(۸۰) ایک بادشاہ کا وزیر بڑا عقل مند تھا وہ وزارت سے استعفاء دے کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوگیا۔ بادشاہ کو اس کی خبر لگی۔ بادشاہ خود وزیر کے پاس گیا اور پوچھا "کہو کیا بات ہوئی جو تونے وزارت جیسی خدمتِ جلیلہ سے دست کشی کی ہے" وزیر نے کہا ترکِ خدمت کے ایک نہیں پانچ سبب ہیں۔ اول یہ کہ آپ بیٹھے رہتے تھے اور مجھے آپ کے سامنے کھڑا رہنا پڑتا تھا اب میں خدا کی عبادت کرتا ہوں اُس نے نماز تک میں بیٹھنے کی اجازت دی ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ خاصہ تناول فرماتے تھے اور میں مُنہ دیکھتے کا دیکھتا رہ جاتا تھا۔ اب میں نے ایسا رزّاق ڈھونڈا ہے جو خود نہیں کھاتا مگر مجھے کھلاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ آپ خوابِ استراحت میں رہتے تھے اور میں پاسبانی کیا کرتا تھا اب مجھے ایسا خدا ملا ہے کہ میں سوتا ہوں اور وہ پاسبانی کرتا ہے۔ چوتھے مجھے ہمیشہ یہ خدشہ رہتا تھا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے دشمنوں سے مجھے گزند پہنچے گا۔ اب ایسا خدا ملا ہے کہ وہ کبھی نہ مرے گا اور دشمنوں سے مجھے ذرا خطرہ نہیں
ع دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست[۲]۔ پانچویں یہ کہ مجھے ہمیشہ اس بات کا ڈر لگا رہتا تھا کہ احیاناً کوئی تقصیر مجھ سے ہوجائے

[۱] بہ دست آہک تفتہ کردن خمیر ✦ بہ از دست بر سینہ پیش امیر (بجھتے ہوئے چونے کو ہاتھ میں لینا امیروں کے سامنے دست بستہ کھڑے رہنے سے کہیں بہتر ہے) [۲] اگر دوست (خدا) مہربان ہو تو دشمن کیا کر سکتا ہے؟ خدا مہربان تو کُل مہربان ۱۲۔

اُسی وقت ایک مچھر آ کے ان کی ناک پر بیٹھا اور کہا کس بات
پر تجھے گھمنڈ ہے گو تیرے لیئے کارخانۂ عالم بنایا مگر تجھ کو میرے
لیئے بنایا تو میں تجھ سے بڑا ہوا۔

(۷۵) ایک عورت اپنے حسن و جمال پر ناز کر رہی تھی اور مردوں
کی بدشکلی پر مُنہ آ رہی تھی کہ دیکھو تمہارے چہرے پر ڈاڑھی
اور مونچھ کا وبال ہے۔ مرد نے کہا سچ ہے مگر یہ تو کہو کہ خدا نے
ہمارے ہی لیئے عورت جیسی نعمت پیدا کی اور ہم جیسوں کو
تمہارے لیئے پیدا کیا، بس یہاں بھی تم ٹوٹے ہی میں رہیں۔

(۷۶) ایک دن ایک شخص گھوڑا چُرانے گیا مگر پکڑا گیا۔ گھوڑے
والے نے کہا کہ "اگر تو گھوڑا چرانے کی ترکیب مجھے بتا دے
تو تجھے چھوڑ دوں گا" چور نے کہا "اچھا" اور گھوڑے کے پاس
جا کر اُس کی اگاڑی پچھاڑی کھول کر لگام دی اور سوار ہو کر
ایڑ کی اور چلتا ہوا اور کہا "دیکھ، گھوڑا یوں چُراتے ہیں" لوگ
اُس کے پیچھے دور تک دوڑے مگر وہ ہوا ہو گیا۔

(۷۷) ایک شخص بہت غریب تھا اُس کے پاس ایک گھوڑا
تھا اُسے ایک اصطبل میں باندھ دیا۔ مگر اس طرح کہ جس طرف
سب گھوڑوں کا مُنہ تھا اس کی دُم کر دی اور پُکارا کہ لوگو آؤ

چنانچہ ہزار روپیہ جو لائے تھے پھر گاڑ آئے۔ جس کا روپیہ تھا اُس کا داؤں چل گیا دوسرے دن وہ اکیلا جاکر اپنا روپیہ نکال لایا اور آیندہ کے لیئے کسی پر اعتماد کرنے سے کان پکڑا۔

(۷۳) دو مصوّروں نے آپس میں صلاح کی کہ لاؤ ہم دونوں ایک ایک تصویر بنائیں اور دیکھیں کس کی تصویر بڑھ جاتی ہی۔ ایک مصوّر نے انگور کے خوشے کی تصویر بناکر دروازے میں لٹکا دی۔ چڑیاں آتی تھیں اور اُس پر چونچیں مارتی تھیں۔ لوگوں کو یہ تصویر بہت پسند آئی اور دوسرے مصوّر کے گھر میں گئے اور کہا کہ تم نے کہاں تصویر کھینچی ہی، کہا اُس پردے کے پیچھے" مصوّرِ اول نے پردہ اُٹھانا چاہا۔ جوں ہی پردے پر ہاتھ ڈالا معلوم ہوا کہ پردہ نہیں ہی بلکہ دیوار ہی جس پر پردے کی تصویر بنائی تھی۔ مصوّر دوم بولا کہ تم نے ایسی تصویر بنائی تھی کہ پرند دھوکے میں آ گئے تھے۔ اور میں نے ایسی تصویر بنائی کہ تم خود دھوکے میں آ گئے۔

(۷۴) ایک شخص نے اپنے دل میں کہا کہ جو کچھ کہ آسمان و زمین میں ہی میرے لیئے ہی خدا نے مجھے اشرف المخلوقات بنایا ہے

جو کچھ جہاں میں ہی سب انساں کے لیئے ہی ※ آراستہ یہ گھر اسی مہماں کے لیئے ہی

کہ بادشاہ کے لشکر کو شکست ہوئی۔ بادشاہ نے اس شخص کو جو
فتح کی خبر لایا تھا سزا دینی چاہی۔ اُس نے کہا کہ ای خداوند میں
سزا کے لایق نہیں کیوں کہ کل میں نے آپ کو خوش کر دیا آج
یہ اُلٹی بات ہی کہ آپ مجھے ناخوش کرتے ہیں۔ بادشاہ کو یہ لطیفہ
پسند آیا اور اُس سے مواخذہ نہ کیا۔"

(۷۲) ایک بخیل نے ایک دوست سے کہا کہ ایک ہزار روپئے
میرے پاس ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس روپئے کو شہر کے باہر
کہیں گاڑ دوں اور تمہارے سوائے کسی کو میں اس کی خبر کرنی
نہیں چاہتا۔ مختصر یہ کہ دونوں گئے اور شہر کے باہر ایک
درخت کی جڑ کھود کر روپیہ دفن کر دیا۔ چند دن بعد اُس کو روپئے
کی ضرورت ہوئی جاکر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ مِلا۔ دل میں سمجھ گیا
کہ ہو نہ ہو یہ اُس دوست کی چالاکی ہی لیکن اگر اُس سے پوچھوں گا
تو بھلا وہ کیوں اقرار کرنے لگا تب اُس کے گھر جاکر یہ چال
چلا کہ میرے ہاتھ بہت سا روپیہ لگا ہی میں چاہتا ہوں کہ جہاں
پہلے گاڑا وہیں یہ بھی گاڑ دوں بہتر یہ ہی کہ کل تم میرے ساتھ چلو
اُس دوست کو طمع دامن گیر ہوئی اُس نے کہا لاؤ جو روپیہ میں
لے آیا ہوں یہ بھی گاڑ دوں کہ پھر بہت سا روپیہ ہاتھ لگے گا

کچھ دنوں بعد اُن کا دوست ملا، اُس نے پوچھا کہ اب تم کیا کرتے ہو؟
کہا، طبابت۔ پوچھا۔کیوں؟ کہا "اس لیئے کہ اس پیشے میں اگر کوئی
تقصیر ہو جاتی ہے تو خاک پردہ پوشی کر لیتی ہے"
(۶۹) ایک شاعر کسی امیر کے پاس گیا اور ایسا گھس کر جا کر بیٹھا
کہ اس میں اور امیر میں صرف ایک بالشت کا فرق رہ گیا۔ اُس
کی یہ گستاخی امیر کو ناگوار ہوئی۔ پوچھا "تجھ میں اور گدھے میں
کیا فرق ہے؟" شاعر نے کہا "ایک بالشت کا" امیر اس جواب سے
شرمندہ ہو کر عذر خواہ ہوا۔
(۷۰) ایک بادشاہ نے ایک عقل مند کو بُلا کر کہا کہ "ہم تم کو خدمت
قضارت دینا چاہتے ہیں۔ اُس نے کہا "فدوی اس کام کے قابل
نہیں" بادشاہ نے پوچھا "کیوں؟" اُس نے کہا "جو کچھ میں نے
عرض کیا اگر وہ درست ہے تو معذور رکھیئے اگر جھوٹ ہے تو جھوٹا
شخص قضارت کے قابل نہیں" بادشاہ کو دانش مند کا عذر
پسند آیا اور اُسے اس ذمہ داری سے سبکدوش کیا۔
(۷۱) ایک بادشاہ نے کسی دشمن پر لشکر کشی کی لیکن شکست
ہوئی ایک شخص نے جلد بادشاہ کے پاس آ کر خبر دی کہ فتح آپ
کی ہوئی۔ بادشاہ نے اُسے انعام دیا۔ دوسرے دن صحیح خبر ملی

پسند آئی اُس کی خطا معاف کر کے خلعت اور انعام دیا۔

(۶۳) ایک شیر اور ایک مرد نے اپنی اپنی تصویر ایک مکان میں دیکھی۔ مرد نے شیر سے کہا "تو نے انسان کی شجاعت دیکھی کہ شیر کو کیسا تابع کر لیا ہی؟" شیر نے کہا "یہ تصویر انسان کی کھینچی ہوئی ہی اگر شیر تصویر کھینچتا تو ایسی نہ کھینچتا"

(۶۴) ایک شخص کو عادت تھی کہ ہمیشہ اپنی ڈاڑھی کے بال نوچا کرتا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے کہا کہ "اگر تو اب ڈاڑھی کے بال نوچے گا تو تجھے سزا دوں گا" کچھ دنوں بعد اس سے کوئی کام ایسا ہوا کہ بادشاہ خوش ہو گیا فرمایا "مانگ کیا مانگتا ہی؟" اس نے کہا "میری ڈاڑھی مجھے بخش دیجیے اس کے سوا میں اور کچھ نہیں چاہتا" بادشاہ نے کہا "اگر تیری یہی خوشی ہی تو خیر جا، ہم نے تیری ڈاڑھی تجھے بخشی"

(۶۵) ایک طبیب جب قبرستان میں جاتا تو چادر سے اپنا مُنہ چھپا لیتا، لوگوں نے اس کا سبب پوچھا۔ طبیب نے کہا "میں ان سب سے شرمندہ ہوں کہ یہ سارے کے سارے میری ہی دوا سے مرے ہیں"

(۶۶) ایک بادشاہ بڑا ظالم تھا۔ ایک دن شہر کے باہر گیا دیکھا

میں نے کسی کو محروم نہیں کیا جو جس نے مانگا دیا۔ ایک شخص
وہیں بول اُٹھا "خداوند! مجھے ایک درہم درکار ہی، دلوایئے"
سکندر نے کہا "بادشاہوں سے اور ایسا حقیر سوال بے ادبی
ہی۔ اُس نے کہا کہ اگر بادشاہ کو ایک درم دیتے شرم آتی ہی
تو کوئی مُلک بخش دیجیے" سکندر نے کہا کہ تیرا پہلا سوال
میرے مرتبے سے کم تھا اور دوسرا سوال جو کیا وہ تیرے
حوصلے اور مرتبے سے زیادہ تھا۔ غرض تیرے دونوں سوال
بے جا تھے۔ وہ شخص شرمندہ ہو کر چلا گیا۔
(۶۲) ایک مسخرے سے ایک بادشاہ ناراض ہوا، حکم دیا کہ
اسے ہاتھی کے پاؤں تلے روند دو۔ مسخرے نے عرض کیا فدوی
بالکل ضعیف و ناتواں ہی، ہاتھی کے پاؤں کے تلے کچلوانا بے
سود، میرے لیئے چڑیا کا پاؤں کافی ہی ہاں آپ کا وزیر جو
سامنے بیٹھا ہی لحیم و شحیم ہی اسے ہاتھی کے پاؤں کے تلے
کچلوایئے کہ ہاتھی کو بھی کچھ معلوم ہو جائے۔ بادشاہ نے
وزیر کی طرف دیکھ کر کہا "کہو، تم کیا کہتے ہو؟" وزیر نے
عرض کیا "جہاں پناہ اس حرام زادے کی تقصیر معاف فرمایئے ورنہ
مجھے بھی لے مرے گا۔ بادشاہ کو مسخرے کی بات اور وزیر کی سفارش

دُریں چہ شک"۔ مغل اپنی حماقت پر مسکرایا اور طوطی کو پھُرتی سے اُڑا دیا۔

(۵۸) ایک مسخرے نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ چوتھے مہینے لڑکا پیدا ہوا۔ عورت نے شوہر سے پوچھا اس لڑکے کا نام کیا رکھوگے؟ اُس نے کہا پیکِ تیز رفتار کیوں کہ نو مہینے کی راہ اس نے چار مہینے میں طے کر لی ہے۔

(۵۹) ایک بدمعاش ایک درویش کی پگڑی اُچک لے گیا۔ فقیر قبرستان میں جاکر بیٹھ گیا۔ لوگوں نے کہا تیری پگڑی وہ باغ کی طرف لے گیا ہے تو قبرستان میں بیٹھ کر کیا کر رہا ہے اُس نے کہا کہ آخر ایک ایک دن تو وہ یہاں آئے ہی گا اس لیئے اُس کے انتظار میں بیٹھا ہوں۔

(۶۰) ایک بادشاہ چھوارے کھاتا جاتا تھا اور گٹھلیاں وزیر کی طرف پھینکتا جاتا تھا۔ کھا چکنے کے بعد وزیر سے کہا کہ تو بڑا پیٹو ہے دیکھ تو تیرے آگے کتنی گٹھلیوں کا ڈھیر ہے۔ وزیر نے عرض کیا کہ جہاں پناہ مجھ سے بھی زیادہ کھانے والے ہیں کہ نہ چھوارے چھوڑے نہ گٹھلیاں۔

(۶۱) ایک دن سکندر اعظم اپنے مصاحبوں سے کہہ رہا تھا کہ

نہ لاکر دور ہٹ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں کتّا آیا اور ہنڈیا لے
کے چلتا ہوا۔ بادشاہ یہ دیکھ کر ہنسا۔ وہ شخص بگڑ کر بولا "ارے
تو کچھ احمق ہی۔ کتّا تیری ہنڈیا لے گیا اور تو ہنس رہا ہی" بادشاہ
نے کچھ جواب نہ دیا اور خاموش رہا۔ وہ مارنے کو دوڑا تو آپ نے
کہا "ایک دن وہ تھا کہ میں شکار کو نکلتا تھا تو میرے ساتھ صرف
باورچی خانے کے سامان کے سو اونٹ رہتے تھے یا آج میں
وہی ہوں کہ ایک مٹھی چاول بھی کتّے نے نہ چھوڑے" وہ
شخص یہ سن کر کانپ گیا اور بہت معذرت کی۔
(۵۷) ایک شخص نے ایک طوطی پالی اور صرف "دریں چہ شک"
سکھلایا۔ جو کچھ پوچھو دریں چہ شک کے سوا جواب نہ دیتی تھی
ایک روز طوطی کو بیچنے بازار لے گیا۔ قیمت دوسو روپیے بتلائی
ایک مغل خریدار نے طوطی سے پوچھا کہ تو دوسو روپیے کے
لایق ہی؟ اُس نے کہا "دریں چہ شک" انہوں نے جھٹ
دوسو روپیے گن دیئے اور خوشی خوشی طوطی کو گھر لے گئے
گھر میں جاکر جو کچھ پوچھتے ہیں وہ ہر بات کا جواب وہی دریں چہ شک
رٹے جاتی ہی۔ مغل بہت پشیمان ہوا اور کہا "میں نے بھی کیا
حماقت کی کہ طوطی کو دوسو میں خریدا۔ طوطی نے جواب دیا

جلی ہوئی روٹی۔ طبیب نے کہا آنکھ کا علاج کر دو۔ مریض نے کہا "پیٹ کے درد کو آنکھ سے کیا تعلق ہے" طبیب نے کہا "پہلے تمہاری آنکھوں کا علاج ہونا چاہیئے کیوں کہ اگر منہ پر آنکھیں ہوتیں تو تم دیدہ و دانستہ جلی ہوئی روٹی کھاتے ہی کیوں؟"

(۵۵) ایک بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ سارے دانت اُس کے گر گئے۔ منجّم سے تعبیر پوچھی اُس نے کہا "حضور کی اولاد اور اقارب سب حضور کے سامنے چل بسیں گے" بادشاہ نے غصّے میں آکر منجّم کو قید کر دیا۔ دوسرے منجّم کو بُلا کر یہی خواب بیان کر کے تعبیر پوچھی اُس نے عرض کیا کہ "آپ کی ساری اولاد اور اعزہ و اقربا سے بادشاہِ عالم کی عمر زیادہ ہے" بادشاہ کو یہ نکتہ پسند آیا اور انعام دیا۔

(۵۶) ایک بادشاہ نے لڑائی میں شکست پائی۔ دشمن کی فوج میں سے کسی نے بطور بیکار (بیگار) کے اُسے پکڑ لیا اور یہ نہ جانا کہ یہ بادشاہ ہے اور جھٹ گٹھڑ اپنے اسباب کا اُس پر لاد دیا۔ جب اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ گیا تو تھوڑے چاول لا کر دے دیئے کہ یہ پکا اور کھا۔ بادشاہ بہت بھوکا تھا ایک ہنڈیا میں چاول ڈال کے چڑھا دیئے اور آپ آگ کی تاب

ہو جاتے ہیں؟" کُبڑا بولا۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ خدا سب کو ہی میری طرح کُبڑا کر دے۔ تاکہ جس نگاہ سے دوسرے مجھے دیکھتے ہیں، میں بھی اُن کو دیکھ سکوں۔

(۵۳) ایک شخص روزانہ بازار سے چھ روٹیاں مول لیا کرتا تھا ایک دن کسی دوست نے پوچھا کہ میاں یہ چھ روٹیاں جو تم روز خریدتے ہو، کیا کرتے ہو؟ کہا "ایک روٹی تو اُٹھا کے رکھ دیتا ہوں اور ایک روٹی پھینک دیتا ہوں اور دو روٹیاں واپس کر دیتا ہوں اور دو روٹیاں قرض دے ڈالتا ہوں" اُس دوست نے کہا "تم نے ایسے مُعَمّے میں بات کہی کہ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ صاف صاف کہو نا" جواب دیا۔ ایک روٹی جو میں خود کھا لیتا ہوں وہ رکھنے میں داخل ہے دوسری جو پھینک دیتا ہوں وہ وہ ہے جو اپنی ساس کو دیتا ہوں۔ دو روٹیاں جو واپس کر دیتا ہوں وہ وہ ہیں جو اپنے والدین کو پیش کرتا ہوں اور دو روٹیاں جو قرض دیتا ہوں وہ وہ ہیں جو اپنے لڑکوں کو دیتا ہوں"

(۵۴) ایک شخص کے پیٹ میں بہت درد تھا طبیب کے پاس دوا لینے دوڑا گیا۔ طبیب نے پوچھا "آج کیا کھایا تھا؟" مریض

جو رتی بھر سے بھی زیادہ تراشا ہوگا تو تیرے حق میں بہتر نہ ہوگا
مدعی عاجز ہو کر مطالبے سے باز آیا۔

(۴۸) دو بھائی جو مفلس اور غریب تھے سفر کو گئے رستے میں
اُنہیں اشرفیوں کی ایک تھیلی اور دو لعل پڑے ملے چھوٹے
بھائی نے کہا ہمارے سفر کی جو غرض و غایت تھی وہ تو حاصل
ہو گئی اب میں آگے نہیں جاتا، گھر کو واپس جاتا ہوں۔ بڑا
بھائی ہر چند ملتجی ہوا مگر وہ نہ مانا ناچار دونوں نے جو مال
ملا تھا آپس میں نصفا نصف تقسیم کر لیا۔ بڑے بھائی نے اپنے
حصّے کی اشرفیاں اور ایک لعل چھوٹے بھائی کو دے دیا
کہ تو جا تو رہا ہی ہے میری بیوی کو دے دیجو میں تو سفر پر جاتا
ہوں۔ چھوٹے بھائی نے گھر پہنچ کر اپنی بھاوج کو اشرفیاں تو
دے دیں مگر لعل دبا لیا۔ تین برس کے بعد بڑا بھائی واپس
آیا بیوی سے پوچھا معلوم ہوا کہ اشرفیاں دیں مگر لعل کا ذکر
تک نہیں کیا۔ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی سے پوچھا اُس نے
کہا واہ! یہ خوب! میں نے تو جب ہی دے دیا وہ اگر انکار
کرتی ہے تو جھوٹ بولتی ہے شوہر نے اپنی بیوی پر سختی شروع کی
اور مارنے پیٹنے لگا وہ بھاگی ہوئی قاضی کے پاس گئی قاضی نے

آج میں بادشاہ کے حضور میں گیا تھا آپ کی نیابت کا ذکر آیا
بادشاہ سلامت نے تمہاری بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ بدولت
اُنہیں عنقریب کوئی اس سے بھی بڑی خدمت دیں گے۔ اس
طرح صرّاف کو خوش کرکے ٹال دیا۔

(۴۵) ایک عورت کو اپنی ہمسائی سے سخت دشمنی تھی اُس کو
پھنسانے کے لیئے ایک رات اپنے بچّے کو مار کے اُس کے گھر
میں ڈال دیا اور صبح کو قاضی کے پاس روتی پیٹتی گئی کہ فلاں
عورت نے جو میری پڑوسن ہی عداوت سے میرے بچّے کو
مار ڈالا۔ قاضی نے جس عورت پر دعویٰ تھا اُسے تخلیے میں بُلا
کے بہت کچھ ڈرایا دھمکایا کہ بتا ورنہ تجھے ہاتھی کے پیر تلے
روندوا دوں گا۔ وہ ناکردہ گناہ رونے پیٹنے لگی اور ہزاروں
قسمیں کھانے لگی کہ میں بالکل بے قصور ہوں۔ قاضی نے کہا
اچھّا اگر تو سچّی ہی تو میرے سامنے برہنہ ہو جا۔ عورت نے
شرم سے سر جھکا لیا اور کہا کہ "مجھے مرنا منظور مگر یہ ذلّت
کسی حال گوارا نہیں" قاضی نے اسے تو کہا کہ نیک بخت تو جا۔
اور مدّعلیہا کو بُلا کر یہی کہا وہ فوراً ننگی ہونے کو آمادہ ہو گئی
قاضی سمجھ گیا کہ یہ عورت بڑی بیباک اور سفّاک ہی ضرور یہ

اور سارا حال کہہ سُنایا۔ قاضی نے کہا کہ "یہ بات تم کسی سے کہنا نہیں کہ تم نے فلاں صرّاف کے ہاں مال رکھا تھا اور وہ نہیں دیتا۔ دیکھو میں ایسی تدبیر کرتا ہوں کہ تمہارا مال خدا نے چاہا تو مل جائے گا۔" دوسرے دن قاضی نے صرّاف کو بُلا کر کہا "مجھے کام اس کثرت سے ہے کہ اکیلا کر نہیں سکتا میں ایک نائب رکھنا چاہتا ہوں، چوطرف نگاہ کی تو تم سے بڑھ کے امانت دار اور متدین کوئی نظر نہیں آتا۔" وہ یہ سُن کر بہت خوش ہوا اور فوراً قبول کر لیا۔ پھر اُس شخص کو بُلا کر کہا "لو اب جاؤ اور صراف سے اپنے مال کا مطالبہ کرو وہ ضرور دے گا۔" وہ شخص صرّاف کے پاس گیا۔ صرّاف نے کہا کہ موقع نازک ہے اگر اس کا زرِ امانت واپس نہ دیا تو یہ قاضی کے پاس جائے گا اور ذرا سی بات میں سارا بنا بنایا کام بگڑ جائے گا، بہتر یہ ہے کہ دے دو اس کو آتے دیکھ کے کہنے لگا "آیئے آیئے تشریف لایئے" مجھ سے بڑی غلطی ہوئی میں بھول گیا تھا اب مجھے یاد آگیا آپ اپنا مال لے جایئے۔ غرض اُن کو ان کا مال اس تدبیر سے مل گیا۔ دوسرے دن صرّاف صاحب مُنہ کھولے ہوئے قاضی صاحب کے پاس خدمتِ نیابت قاضی گیری کے لیئے گئے قاضی نے کہا

سے کہا کہ روکھی سوکھی جو کچھ تیرے ہاں موجود ہو جلد لا۔ وہ
نہایت خوش ہوا اور ماحضر پیش کیا۔ بادشاہ نے بخوشی تناول
فرمایا۔ صاحبِ خانہ نے ہاتھ جوڑ کے عرض کیا کہ "حضورِ والا! یہ کیا
بات ہی کہ پہلے آپ نے چراغ بجھا دیا پھر اُس شخص کو قتل کر کے
چراغ سے اُس کا چہرہ ملاحظہ فرمایا، پھر شکرِ خدا ادا فرمایا، اور
بے وقت خاصہ نوش فرمایا؟" بادشاہ نے کہا کہ "بھئی! بات
یہ ہی کہ میرا خیال ہوا کہ ایسی جرأت اور بیباکی کا کام ہو نہ ہو
میرے بیٹے نے کیا ہوگا اس لیے میں نے پہلے چراغ گل کر دیا
کہ مبادا اُس کی صورت دیکھ کر شفقتِ پدری سے میرا ہاتھ
رُک جائے۔ پھر چراغ منگا کر جو دیکھا خدا کا شکر کیا کہ وہ
میرا بیٹا نہ تھا، اور جس وقت تو دادخواہ ہوا میں نے اُسی
وقت قسم کھائی تھی جب تک اس سفّاک کو قتل نہ کروں گا
آب و خورش مجھ پر حرام ہی جب سے اب تک بھوکا ہوں بھوک
بڑی شدّت سے لگی تھی تاب نہ لا سکا اس سبب سے بے وقت کھانا کھایا۔"
(۴۴) ایک شخص بہت سا مال ایک صرّاف کے سپرد کر کے سفر کو
چلا گیا۔ واپس آ کر تقاضا کیا صرّاف نے صاف انکار کیا اور قسم کھا گیا
کہ تو نے میرے پاس کب رکھوایا تھا۔ یہ شخص قاضی کے پاس گیا

عورت سے ناجائز تعلق رکھتا ہو مگر نہ میں نے کبھی اُسے دیکھا اور نہ میں اُسے جانتا ہوں کہ کون ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح وہ گرفتار ہو جائے اسی لیئے میں حاضر ہوا ہوں بادشاہ نے ایک عطر کی شیشی دے کر کہا کہ "یہ عطر اپنی بیوی کو دے اور اُسے تاکید کر دے کہ اس میں سے کسی کو عطر نہ دے" اُس شخص نے ایسا ہی کیا اور ساتھ ہی ایک جاسوس بھی متعین کر دیا کہ اس کے گھر کے آس پاس بیٹھے رہیں اور جس کے کپڑوں میں سے عطر کی خوشبو آئے، اُسے گرفتار کرکے ہمارے روبرو حاضر لائیں۔ القصہ وہ حضرت موقع پاکر اُس عورت کے پاس جا براجے عورت نے وہ عطر اس کے کپڑوں سے خوب ملا اور کہا کہ "یہ عطر مجھے میرے شوہر نے دیتے وقت منع کر دیا تھا کہ کسی کو نہ دینا مگر تم سے بڑھ کر کیا چیز ہو، صدقے کی گئی موئی وہ چیز، اگر تمہارے کام نہ آئے تو کس کام کی۔ وہ صاحب گھر سے باہر نکلتے ہی عطر کی مہک پر جاسوسوں نے انہیں دھر لیا اور سیدھے بادشاہ کے سامنے لائے۔ بادشاہ نے دادخواہ کو بلا کر فرمایا "لو یہ تمہارا چور ہو۔ چاہے مارو چاہے بخشو"۔

(۱۴۴) ایک عورت قاضی کے پاس فریاد لے گئی کہ فلاں شخص نے

پھٹی ہوئی ہی تو اُس کا دم سلب ہو گیا کہ بس اب جان کی خیر نہیں
بادشاہ دیکھیں گے تو کیا آفت آئے گی۔ اُس کا ایک دوست
رفوگر تھا جو شہر میں بڑا نامی گرامی اور رفوگری میں لاثانی تھا۔ یہ
دوڑا ہوا اُس کے پاس گیا اور بہت کچھ عاجزی لجاجت کرنے لگا
کہ خدا کے واسطے میری جان بچاؤ دوستی کا حق ادا کرو اس مسند
کو ایسا رفو کرو کہ معلوم نہ دے۔ رفوگر نے کہا "تم خاطر جمع رکھو میں
ایسا ہی رفو کر دوں گا۔ غرض یہ کہ مسند کو ایسا رفو کیا کہ غور کرنے
سے بھی معلوم نہ ہوتا۔ تب بے چارے فراش کی جان میں جان آئی
بادشاہ جب شکار سے واپس آئے مسند کو دیکھ کر متحیر ہوئے
کہ اسے تو میں چاک کر گیا تھا یہ کیسے سالم ہو گئی۔ فراش کو بلا کر
پوچھا وہ لرز گیا۔ بادشاہ نے اُسے اطمینان دلایا تو گھبرا نہیں،
مسند میں نے ہی پھاڑی تھی تو یہ بتا کہ تو نے کس سے رفو کروائی؟
فراش کی جان میں جان آئی، دست بستہ عرض کیا کہ جہاں پناہ
کو خدا سلامت رکھے، غلام نے یہ فلاں رفوگر سے رفو کرائی ہے۔
بادشاہ نے اُسی وقت رفوگر کو بلوایا اور اُس کی دستکاری
کی بڑی تعریف کی۔ پھر پوچھا "سچ سچ بتاؤ" کیوں جی، تم نے سال
ڈیڑھ سال کے اندر کوئی نقلی رفو کی تھی؟" رفوگر نے سوچ کر

اور معتبر سمجھ کر ایک تھیلی جس میں ایک ہزار اشرفیاں تھیں سربمُہر امانت
رکھوا گیا۔ واپس آنے کے بعد قاضی صاحب نے تھیلی تو واپس دی
جو ہر طرح سے سربند تھی، مہریں بھی برابر تھیں، اندر کھول کے دیکھتا ہے
تو بجائے اشرفیوں کے پیسے بھرے ہوئے ہیں۔ اس نے اپنا سر پیٹ
لیا اور اُلٹے پاؤں دوڑا ہوا قاضی صاحب کے پاس گیا۔ قاضی تو
قاضی قاضی کے گھر کے چوہے بھی سیانے ہوتے ہیں ڈرا دھمکا کر
گردن میں ہاتھ دے کے نکلوا دیا۔ بے چارہ حیران کہ اب فریاد
کس کے پاس لے جائے۔ قاضی کے مقابلے میں اس کی بات کیا چلے گی
مرتا کیا نہ کرتا بادشاہ کے حضور میں پہنچا۔ بادشاہ تھا رعیت پرور
دادرس۔ غور سے اس کی فریاد سنی۔ پوچھا کس کے سامنے امانت
رکھوائی تھی۔ تمہارے پاس کوئی گواہ بھی ہے؟ اس نے کہا قاضی
صاحب کے پاس کئی آدمی بیٹھے ہوئے تھے میں نے سب کے سامنے
تھیلی دی ہے مگر اب اُن کے ڈر کے مارے کس کی مجال ہے کہ اُن
کے خلاف مجھ غریب کی سی گواہی دے سکیں۔ بادشاہ نے اُسے
تسلی دلاسا دیا کہ گھبراؤ نہیں ان شاء اللہ تمہارا مال مل جائے گا
دو چار روز کے بعد بادشاہ شکار کو جانے لگے اور جاتے جاتے
اپنی مسند پھاڑ گئے۔ فراش نے جو دیکھا کہ شاہی مسند اِدھر اُدھر سے

کہ نہ آنے کی شکایت کی۔ بہت ڈرا کہ اکبر بادشاہ کے کانوں تک یہ ادنیٰ سی بات پونہچی تو مفت میں میری ساکھ کو بٹّہ لگے گا۔ کہنے لگا "میاں صاحب! تم نے اُس دن مجھ سے اپنی امانت کا ذکر کیا تھا، میں کام میں تھا میں نے تم کو جواب دے دیا مگر پھر جو سوچا تو مجھے کچھ کچھ خیال پڑتا ہی کہ شاید تم کچھ رکھوا گئے تھے، بہت دن کی بات ہی، مجھے یاد نہیں رہی تم ذرا تفصیل سے تو کہو کتنا روپیہ تھا، کب رکھوایا تھا تاکہ میں پُرانے کھاتوں میں دیکھوں، کیا عجب ہی کہ داخلہ نکل آئے" غریب آدمی غنیمت سمجھا کہ ساہوکار نے سیدھے مُنہ بات تو کی پھر اپنا سب حال کہہ سُنایا۔ سیٹھ صاحب تو پہلے ہی نرم پڑ گئے تھے اپنی بات بنانے کو ایک دو دن کا غوطہ لگا کر کہنے لگے "میاں شاب تھار و داکھلو کھا تو میں مل گیو ہے یو تھاری گٹھڑی لے جا" اس طرح ان کا ڈوبا ہوا روپیہ کوڑی کوڑی مِل گیا۔ بادشاہ کو پرچہ نویسوں نے خبر دی نے شکر ادا کیا کہ الحمد للہ خداوندِ تعالیٰ نے ایک بے کس کو میرے ہاتھ سے انصاف کو پونہچایا۔

(۳۸) ایک شخص سفر کو جاتے وقت قاضی شہر کو سب سے متقی پرہیزگار

پاس کوئی دستاویز یا گواہ بھی ہی؟" اُس نے کہا اتنے بڑے
ساہوکار کی ساکھ ہی دستاویز ہی۔ میرے پاس اول تو کوئی
گواہ نہیں اور اگر ہوتا بھی تو ساہوکار کے ڈر کے مارے کون
میرے مفید گواہی دیتا۔ بادشاہ نے کہا "اچھا ہم تیرا انصاف
خاطر خواہ کریں گے۔ تو جا اور چپ چاپ ساہوکار کی دکان پر
بیٹھ جا۔ اچھا بُرا کچھ نہ بولیو ورنہ پھر تیری وہی گت بنے گی
تجھے گردن پکڑ کر نکال دیں گے۔ رات کو بھی بیٹھا رہیو۔ کل
ہماری سواری جلوس سے نکلے گی اُدھر سے ہی گزر ہوگا۔ میں
تجھے دیکھ کر سلام کروں گا تو سوائے جوابِ سلام کے کچھ نہ بولیو
پھر آگے جو ہوگا تو خود دیکھ لے گا۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ دوسرے
دن جب سواری بادشاہ کی گزری۔ دیکھا کہ یہ غریب سیٹھ کی
دکان پر بیٹھا ہی۔ بادشاہ نے سلام میں تقدیم کی اور کہا "کیوں
بھائی تم کل سے کیوں نہیں آئے ہو؟" اُس نے سلام کا جواب دیا
مگر سوال کا جواب نہ دیا۔ سواری آگے بڑھ گئی۔ ساہوکار یہ دیکھ
کر سرد ہوگیا کہ اوہو یہ تو کوئی بادشاہ کا منہ چڑھا بڑے پایہ
اور مرتبہ کا آدمی ہی کہ بادشاہ نے بھائی کہہ کر مخاطب کیا اور
اُس نے جواب تک نہ دیا اور بادشاہ کو اس کی خاطر ایسی عزیز ہی

ایک بڑے لکھ پتی معتبر ساہوکار کے پاس امانت رکھوا گیا۔ واپس
آکر مانگا تو ساہوکار نے بغلیں اُٹھا دیں اور دھکّے دے کے
نکال دیا۔ یہ گھبرایا ہوا قاضی صاحب کے پاس گیا۔ قاضی صاحب
خود اُس سیٹھ کے مقروض تھے اُنھوں نے غریب کی بات
کان دھر کے سُنی تک نہیں۔ وہاں سے مفتی صاحب کے ہاں
گیا وہاں بھی شنوائی نہ ہوئی آخرکار افتاں وخیزاں وزیر کے
پاس پہونچا۔ نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سُنتا ہے وہاں
سے بھی حرماں نصیب ناکام واپس آیا آخرکار جب سب جگہ سے
نااُمید ہو گیا تو بادشاہ تک پہونچا اور جاتے ہی آڑا پڑ گیا۔
بادشاہ نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ سارا واقعہ سُنا اور کہا کہ
قاضی صاحب کے پاس کیوں نہیں گئے؟ اُس نے کہا گیا تھا
وہ خود اُسی ساہوکار کے مقروض ہیں۔ بادشاہ۔ خیر مفتی کے
پاس جانا تھا۔ اُس نے کہا کہ جی، وہاں بھی گیا تھا اُنھوں نے بھی
مجھ غریب کی فریاد نہ سُنی۔ بادشاہ۔ تو اچھّا ہمارے وزیر کے ہاں
جانا تھا۔ اُس نے کہا اول تو وہاں رسائی مشکل، بہزار مشکل پہونچا تو
وہاں بابِ سماعت بند تھا۔ ہر طرف پھر پھرا کے مایوس ہو کر ہی
حضور کے درِ دولت پر حاضر ہوا ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھّا تیرے

بھی نہیں"۔ قاضی صاحب مسکرائے اور کہا "تو گھبراتا کیوں ہی،
درخت آیا بھی اور گواہی دے کر چلا بھی گیا" مدعی علیہ چمک کر
بولا کہ "واہ قاضی صاحب واہ! اچھا انصاف کیا۔ میں تو بیٹھا ہی
ہوں، نہ درخت آیا نہ گیا اور آپ کہتے ہیں کہ وہ آیا اور گواہی
دے کے چلا بھی گیا"۔ "دروغ گویم بر روئے تو" قاضی صاحب
نے کہا تو بڑا بے ایمان اور جھوٹا ہی جب میں نے تجھ سے پوچھا
کہ آیا وہ شخص درخت کے پاس پونہچا ہوگا یا نہیں تو اگر تو نے
روپیہ نہیں لیا تھا اور تو اُس درخت سے واقف نہ تھا تو پھر
تو کیسے جھٹ سے بول اُٹھا کہ "ابھی نہیں پونہچا" اِس سے
تیری دغا بازی صاف ظاہر ہی اب تیرے حق میں بہتر یہی ہی
کہ اِس کا زر امانت دے ورنہ میں تجھے سخت سزا دوں گا یہ
شخص شرمندہ ہوا کچھ جواب نہ بن پڑا اور بلا رد و کد روپیہ
مدعی کو دے دیا۔ قاضی صاحب کو اس کی حالت پر رحم آیا
اور کہا کہ بڈھے کو اب کیا سزا دوں یہ کشاکشی ہی بہت ہی مرغی
کو ٹکے کا گھاؤ بس ہی اور ڈانٹ ڈپٹ کر چھوڑ دیا کہ جاؤ
اپنا مُنہ کالا کرو۔

(۳۷) ایک شخص سفر کو جاتے وقت اپنا سارا اندوختہ چار یا پنج ہزار کا

تیسرا اشلوک پورا ہوگیا۔ لا ہمارا بیل اور کتابیں۔ جاٹ بہت
شرمندہ ہوا بیل اور کتابیں واپس دینی پڑیں تب کہیں پیچھا
برہمن اپنے وطن کو سدھارے اور دوسرے اپنے گھر کو۔ اس سے
ظاہر ہوا کہ بعض بھولے بھالے ذی علم بھی جٹ بدّیا کی باتوں
میں ٹھگائے جاتے ہیں۔

(۱۳۶) ایک صاحب سفر کو جارہے تھے جاتے وقت ایک اپنے
بھروسے کے دوست کے پاس ایک ہزار روپئے نقد امانت
رکھ گئے۔ جب واپس آکر مانگا تو انہوں نے الف خالی بتادیا
قاضی صاحب کے پاس فریادی گئے اُنہوں نے پوچھا کس کے
سامنے رکھوایا تھا کب رکھوایا کوئی گواہ ہے یا خالی خولی بیان
ہی کرنے آئے ہو۔ مدعی بے چارے نے کہا کہ میرے پاس تو
کوئی گواہ نہیں جس کے پاس امانت تھی اُس نے سرے سے
امانت رکھنے ہی سے انکار کیا۔ قاضی صاحب مجبور ہوگئے اور
کہا کہ جب تم نے امانت ہی نہیں رکھی تو چلے جاؤ۔ وہ چلا گیا
مدعی بیٹھا رہا کہ دیکھیں قاضی صاحب کا کیا حکم ہوتا ہے۔ قاضی صاحب
نے مدعی سے پوچھا کہ تو پوری بات تو کہہ آخر روپیہ رکھوایا ہوگا
تو کس جگہ دیا آیا وہ کوئی گھر تھا جنگل تھا کون سا مقام تھا؟

جتنا کہ میں نے کہا۔ برہمن بولا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، کبھی ممکن نہیں جب تک چار پد (مصرعے) نہ ہوں کوئی چھند یا اشلوک مکمل نہیں ہوسکتا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ تجھے پورا اشلوک یاد نہ ہو تو میں پورا سُناؤں اور تجھے مطلب سمجھاؤں۔ جاٹ بولا ہاں یہ مانی، اگر اتنی کرامات رکھتا ہے تو پھر دیر کیا ہے سُنا۔ برہمن بولا ے سُن پورا اشلوک۔

جٹ جاٹ جٹو جٹ چٹا سا۔ کھٹ کھاٹ کھٹو کھٹ کھٹا سا
کھد کھا و کھد و کھد کھدا سا۔ شپ شاپ شپو شپ سپا سا

جاٹ نے کہا یہ تو ہوا مگر اس کا ارتھ کہو۔ برہمن بولا ے سُن زمیندار جب باجرے کا کھیت بوتے ہیں اور اس میں بال نکل کر باجرا پک جاتا ہے تو وہ لوگ بالوں کو توڑتے ہیں تو اس میں پہلے انترے کی آواز نکلتی ہے۔ پھر اُسے اوکھلی میں ڈال کر کوٹتے ہیں تو یہ آواز نکلتی ہے جو دوسرے انترے میں ہے۔ جب وہ کُٹ کر طیار ہوجاتا ہے اور ہنڈیا میں ڈال کر پکایا جاتا ہے تو کھد بد کی آواز نکلتی ہے جیسا کہ تیسرے انترے میں ہے جب وہ پک جاتا ہے تو اُس کا دلیا بنا کر چھاچھ ڈال کر شپا شپ کھاتے ہیں یہ چوتھا انترا ہے۔ یہ تیرے سوال کا جواب اور

برہمن سے لیتا ہوں، یہ دونوں بیل جوان ہیں ایک اور ہل طیار
ہو جائے گا۔ وہ تجھے دے دوں گا اور بوڑھے بیلوں کو اپنے
لیئے رکھ لوں گا یہ کہہ کر چلتا ہوا اور جب وہ قریب آئے تو بہ آواز
بلند پالاگن کیا۔ انہوں نے اشیر باد دی اور پہلے برہمن سے بولا
مہاراج رستے ہی سے لوٹ آئے کاسی جی کیوں نہ گئے۔ للّو برہمن
نے جواب دیا ئیہ میرے گرو بھائی راستے میں مل گئے ان سے
میں نے تمہارا سوال بیان کیا انہوں نے کہا شاید سوال ہی تیری
سمجھ میں نہ آیا ہوگا چلو ہم تم سن کر پھر غور کریں ممکن ہے کہ حل
ہو جائے اور جو ہم دونوں بھی ناکامیاب رہیں تو پھر دونوں
کاسی پلٹ چلیں گے۔ اب تو اپنا سوال کہہ ہم اُتّر (جواب)
دیں گے۔ جاٹ بولا میری تو وہی شرط ہے اگر اس نے میرے
سوال کا جواب پورا دیا تو میں اس کا بیل واپس دے دوں گا
اور جو جواب بن نہ پڑا تو تمہارا بیل بھی لے لوں گا۔ اُس نے
یہ شرط منظور کی جاٹ نے وہی منتر دہرایا "شپ شاپ
شپو شپ سپا سا" للّو بولا یہ سہی نہیں پورا اشلوک پڑھو
تو میں مطلب بیان کروں ادھوری بات کا ارتھ (مطلب) کیسے
بیان ہو سکتا ہے؟ جاٹ نے کہا مہاراج! یہ تو بس اتنا ہی ہے

گئے۔ جب وہ قریب آیا تو دونوں میں نمسکار ہوئی۔ للّو برہمن
بولا "کیوں خیر! واپس کیسے چلے۔ کیا راستے میں ڈاکوؤں نے مزاج
پرسی کی؟" — للّو برہمن بولا۔ چور چکار تو کوئی ملا ملایا نہیں مگر
چور سے بڑھ کے ایک جاٹ ملا اُس نے چھل دے کے باتوں
ہی باتوں میں میرا بیل اینٹھ لیا اور اب مہمل سوال اُس نے
مجھ سے کیا کہ میں اُس کا جواب نہ دے سکا اور نہ اپنا قول ہار
سکتا تھا۔ مجبوراً بیل اُس کے حوالے کیا اور اب پھر علم سیکھنے
بنارس جا رہا ہوں۔ للّو برہمن یہ ماجری سُن کے اپنے بے وقوف
ہم سبق کی حماقت پر قہقہہ مار کے ہنسا اور کہنے لگے بھائی کسی
نے سچ کہا ہے کہ "یک من[عہ] علم را دہ من عقل باید"۔ بلا عقل نرے علم
سے کام نہیں چلتا۔ چل ہم تیرا بیل دلوا دیں گے اور اُس جاٹ
کے سوال کا بھی پورا پورا جواب میں دوں گا۔ غرض دونوں
مل کر چلے دو تین دن میں وہیں پہنچے جہاں کہ جاٹ کنواں
چلا رہا تھا۔ اُس نے بھی دیکھ لیا کہ ایک برہمن بیل سمیت
آ رہا ہے اور اُس کے ساتھ وہ برہمن بھی ہے جس کا بیل میں نے
چھین لیا ہے اپنے بیٹے سے کہنے لگا کہ "بھگوان نے گھر بیٹھے ہمیں
ایک جوڑی بیلوں کی بھیج دی ایک بیل تو پہلے آیا دوسرا ابھی

عہ ایک من علم کے لیے دس من عقل چاہیے۔ ۱۲

سمجھ گیا کہ یہ نرا گنوار کا لٹھ ہی یہ سوال نہ علمی ہی نہ عقلی بھلا اس احمق
کی بات کا کیا جواب دیا جائے اور جواب نہ دیا جائے تو بیل مفت
گیا آغازِ سفر میں ہی یہ دشواری پیش آئی آگے دیکھیے کیا ہوتا ہی
بہتر ہوگا کہ بیل تو اسے دے دوں اور کتابوں کی محبت چھوڑ کے
پھر کاسی جاؤں اور وہاں جا کر جب تک جٹ بدّ یا نہ پڑھوں
اور ان احمقوں کی حماقت سے نجات کی کوئی تدبیر نہ نکالوں ادھر
کا رُخ نہ کروں اور اس کا معقول بندوبست نہ ہوا، تو سارا
میرا پڑھا لکھا اکارت۔ برہمن صاحب کتابوں کو پھینکنے اور
بیل کو خالی کرنے لگے۔ جاٹ بولا مہاراج آپ کتابوں کو
کیوں پھینکتے ہو میرے سپرد کرو۔ جو کچھ خامی رہ گئی ہی۔ جب
اُسے پورا کرکے آؤ گے تو تمہاری کتابیں تم کو دے دوں گا
تب تک اپنے کوٹھے میں اپنی جان کے برابر رکھوں گا مشّر
جی بیل تو پہلے ہی دے چکے تھے۔ جاٹ کی چکنی چپڑی باتوں
میں آکر انہوں نے کتابیں بھی دے دیں اور خود بنارس کا رُخ
کیا۔ ابھی تین منزل گئے تھے کہ بنارس کی طرف سے ایک اور
برہمن ایک بیل پر کتابیں لادے ہوئے چلا آتا تھا، اُسے
دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے اور جہاں کھڑے تھے وہیں رک

بھی گنواروں جیسی ہی۔ سوال کرنے سے پہلے ایک شرط کیا چاہتا ہوں اگر
میں ہار تو اپنے بیلوں کی جوڑی ہیں سے جو بیل آپ پسند کریں گے
دے دوں گا اور جو آپ نے میرا جواب برابر نہ دیا تو یہ پستک اٹھی
لدا ہوا بیل چھین لوں گا۔ اگر آپ کو یہ شرط منظور ہی تو میں سوال
کرتا ہوں ورنہ آپ اپنا رستہ لیجیے اور چلے جائیے۔ برہمن بولا
ای نادان کیا مجھے بالکل ہی بے وقوف سمجھتا ہو اور کیا میں نے
یہ بارہ برس بھاڑ جھونکا ہو کہ تجھ گنوار کے ایک سوال کا جواب
نہ دے سکوں گا۔ اگر میں معقول جواب نہ دوں تو بیل تو بیل جو
تو کہے گا دوں گا۔
جاٹ۔ سوائے بیل کی شرط کے نہ میری اور کوئی شرط ہو نہ میں اس کے
زیادہ لوں۔ تمہیں منظور ہو تو کہو میں سوال کروں۔
برہمن۔ ہاں ہاں کہہ تو دیا ہمیں تیری شرط منظور ہی جلد سوال
کر میری منزل کھوٹی ہوتی ہی۔
جاٹ۔ میرے دادا جی بچپنے میں مجھے ایک منتر یاد کرایا کرتے تھے
مگر اُس کا ارتھ (مطلب) آج تک مجھے معلوم نہ ہوا اگر تم بتلا دوگے
تو میں بے شک قائل ہو جاؤں گا کہ تم واقعی ودیا دان ہو۔
وہ منتر یہ ہی "شپ شاپ شپو شپ سپا سا" برہمن

کاشی جی گیا تھا بِدیا سیکھ کے اپنے گھر کو جا رہا ہوں۔ پوتھی پُستک کا بوجھ ہو گیا تھا، اِس لیئے ایک بیل خرید کر لاد لیا ہی۔ اور میرے پاس کیا دھرا ہی۔ خالی ہاتھ ہوں۔

جاٹ۔ پانڈے جی۔ کاسی جا کر شاستر پوری پڑھ لی، یا ابھی کچھ باقی ہی۔ اگر کچھ باقی ہی تو ابھی تم نوعمر ہو یہی زمانہ تحصیلِ علم کا ہی اگر کچھ رہ گیا ہی تو پورا کر لو ورنہ یہ وقت پھر ہاتھ سے جاتا رہیگا اور پچھتاؤ گے۔

برہمن۔ بھائی، چار وید اور چودہ پُران جس قدر علوم و فنون ہیں سب پڑھے کوئی دقیقہ باقی نہیں اگر ادھوری بِدیا سیکھنی ہوتی تو گھر چھوڑ کے کاشی جی کیوں جاتا اب میں ہر فن میں کامل ہوں بنارس کا کوئی شاستری میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

جاٹ۔ اچھا تو میں ایک ذرا سی بات میں تمہارا امتحان لے لیتا ہوں اگر تم میرا ایک سوال بتا دوگے تو آپ بے شک لایق ورنہ تمہاری قلعی کھُل جائے گی۔ برہمن نے دل میں سوچا کہ میں نے بارہ برس حصولِ علم پر محنت کی ہی تو کیا اِس جاہل جاٹ سے میں ہار جاؤں گا۔ فوراً کہا بول چودھری، کیا سوال ہی؟ جاٹ نے کہا میں تو ایک گنوار آدمی ہوں نہ لکھا نہ پڑھا میری عقل

چلتے مہاراج کا گزرا ایک کنوئیں پر ہوا جہاں ایک بڈھا جاٹ
سفید چادر اوڑھے حقہ پی رہا تھا۔ اُس کا بیٹا ایک جوڑی بیلوں
سے کنوئیں پر رہٹ چلا رہا تھا۔ جاٹ نے دیکھا کہ ایک برہمن
سادہ لوح بیل پر اپنا سامان بار کئے بلا خوف وخطر چلا جا
رہا ہی جس کی چال ڈھال سے آنکھوں کا اندھا گانٹھ کا پورا
معلوم دیتا ہی۔ اگر میں نے اس کا بیل کسی حیلے سے نہ لیا تو
میرے بالوں کی سفیدی پر لعنت ہی۔ جاٹ نے اپنے بیٹے
سے کہا کہ دیکھ ایک بھولی کویل رستے سے جا رہی ہی اس کا
بیل کیسا موٹا تازہ اور قیمتی ہی جب تک میں اسے نہ لوں مجھ
پر دانا پانی حرام ہی۔ مگر برہمن کا مال چھین لینا بھی مہا پاپ
اور بڑی ہتیا ہی۔ میں ایسی تدبیر نکالتا ہوں کہ نہ سانپ مرے
نہ لاٹھی ٹوٹے۔ مہاراج اپنا بیل بہ طیب خاطر خود ہی مجھے دے
دیں وہ تدبیر میں نے بخوبی سوچ لی ہی یہ کہہ کر لاٹھی ٹیکتا ہوا
سر راہ جا کھڑا ہوا۔ جب مشرجی قریب آئے جاٹ نے
نہایت ادب سے پالاگن کیا۔ مشرجی نے کہا ججمان راضی خوشی
رہو۔ جاٹ بولا۔ پانڈے جی کہاں سے آنا ہوا اور کہاں جاتے ہو
بیل پر کیا مال لاد کر لاتے ہو؟ مشرجی۔ پڑھنے کے واسطے

تھا اُس نے سُنا نہیں ادھر ان کو خاموش ہونا پڑا۔ جب وزیر چلا گیا تو اس بُڈھے وزیر نے پوچھا کہ آپ کیا فرمانا چاہتے تھے؟ اُنو رائے بولے جی کچھ نہیں میں صرف یہ پوچھتا تھا کہ کیا تمہارے بادشاہ کو بھی اسی طرح تانت لگاتے ہیں، اور میں کیا پوچھتا۔ غرض شاہی وزیر نے راجہ کی بڑی تعریف کی اور سر سے بلا ٹلی۔

(۳۵) **برہمن اور جاٹ کی کہانی**۔ ایک نوجوان برہمن حصولِ علم کی غرض سے اپنے وطن سے بنارس گیا کئی برس میں جوتش ویاکرن ویدک سامُدرک وغیرہ جملہ اقسام علوم میں استعدادِ کامل حاصل کی حصولِ علم سے فارغ ہونے کے بعد قصدِ مراجعت وطنِ مالوف کا ہوا دیکھا تو کتابوں کا انبار ہے جن کا لے جانا ازبس ضرور ہے۔ دوستوں نے صلاح دی کہ دس بارہ روپئے کا ایک بیل خرید لو، اُس پر اپنی کتابیں اور سامان لاد لو۔ جہاں شام ہو جائے قیام کرو۔ ایشور جو تم کو کھانے کو دے گا اُس کے دانے چارے کا بھی بندوبست کر دے گا۔ جب گھر پہنچ جاؤ تو بیچ ڈالنا۔ بہر حال تمہاری خرید سے کچھ بڑھ کر ہی مل جائے گا۔ بات تھی ٹھکانے کی مشر جی کو بہت پسند آئی۔ بیل خرید اپنی کتابیں اور سامان لاد کے چلے۔ چلتے

اپنی زبان وہیں روک لیں۔ راجہ نے کہا اس کی کیا ضرورت ہے
میں کب تم لوگوں کے خلاف بولتا ہوں۔ مگر وزیر نے اصرار کیا اور
راجہ کو ماننا پڑا۔ غرض کئی دن تک راجہ کو سبق پڑھایا گیا۔ دربار
میں اُن کو بٹھا بٹھا کر عملی طور پر تعلیم دی گئی کہ وزیر آئے تو اس
طرح خطاب کرنا۔ یوں باتیں کرنا۔ اس طرح بردباری سے بیٹھنا
مختصر یہ کہ ہر طرح پخت و پز کر لی۔ روزِ مقررہ پر دربار بھرا
شاہی وزیر آیا۔ راجہ صاحب بڑے کرّوفر سے تخت پر بیٹھے
بڑے تپاک اور بردباری سے پیش آئے۔ جس طرح سکھایا
پڑھایا گیا اُس سے سرِ مو تجاوز نہ کیا۔ باتیں ہوتی رہیں کہ جہاں
پناہ کے مشاغل کیا ہیں؟ کس بات کا شوق اور کس طرف
میلانِ طبع زیادہ ہے؟ محکمۂ مال گزاری کا انتظام کس اصول
پر ہے؟ انصاف رسانی اور معدلت پروری کا کیا طریقہ ہے؟ وزیر
یہ پیچ دار تقریر سُن کر دنگ رہ گیا اور دل میں کہنے لگا کہ یہ
تو بڑا سمجھ دار اور گرگِ باراں دیدہ ہے، مفت میں یہاں کے
لوگوں نے اسے بدنام کیا۔ ملاقات ختم ہوئی دربار بخیر و خوبی
ختم ہوا۔ وزیر آداب بجا لا کر دو قدم پیچھے ہٹا تھا کہ راجہ نے
کہا "اجی سُنو تو" کہ ان کے وزیر نے ٹھُلکی دی۔ شاہی وزیر ذرا دور

ہیں پوہنچ جائے گا تب راجہ نے وزیرِ معزول کو بلایا جس نے ان کے باپ سے قول و قرار کیا تھا۔ وزیرِ سابق آیا اور اُس نے ہر طرح سے اطمینان دلایا کہ آپ خوف نہ کریں ابھی کچھ بگڑا نہیں ہی میں حضور کے اقبال سے سنبھال لوں گا۔ عرض صرف یہ ہی کہ آپ میں جیسا عرض کروں وہی کریں۔ پہلا کام تو یہ ہی کہ اِن سب بدمعاشوں کو نکالیئے اور پُرانے جاں نثاروں کو بلوا لیجئے ۔ ؎

قدیمانِ[1] خود را بیفزائے قدر ٭ کہ ہرگز نیاید زپرورده غدر

دوسری بات یہ کہ شاہی وزیر کو کیوں کہ باریاب کیا جاتے۔ اُس سے کیا اور کیوں کر گفتگو کی جائے یہ سب مراتب آپ مجھ سے سُن لیں۔ آپ وزیر کو موقع کسی سوال کرنے کا نہ دیں۔ بلکہ جو جو باتیں میں عرض کرتا ہوں وہ یاد کرلیں اور آپ ہی اُس سے سوال کریں۔ مگر میں حضور کے مزاج سے بخوبی واقف ہوں کہ حضور بولیں گے ضرور اور جب بولیں گے بے موقع لہٰذا مقتضائے احتیاط یہ ہی کہ میں ایک ریشم کی ڈوری آپ کے جسم کے حصہ زیریں میں باندھ کر تخت کے تلے سے نکال کر پاس کے حجرے میں بیٹھ جاتا ہوں جوں ہی میں ٹھُمکی دوں آپ

[1] ملازمانِ قدیم کی زیادہ قدر کرنی چاہیئے کیوں کہ نمک خوار نمک حرامی نہیں کیا کرتے۔ ۱۲

اور اپنی راہ لی۔ آپ پھر بپ بپ بپ بپ کہتے کہتے غافل ہو گئے۔
جب صبح کو ہمسایوں میں سے کسی نے آ کے جگایا کہ میاں اتنا دن
چڑھ گیا اور ابھی تک تم سو ہی رہے ہو تو آنکھیں ملتے اُٹھے
اور فرمانے لگے "زک پائی، زک پائی، چور نے کیسی زک پائی" اگر
کچھ ہمت تھی تو مجھے اُٹھا کے کیوں نہ لے گیا، اگر وہ ذرا بھی مجھے
ہاتھ لگاتا تو میں ایسا زبردست پنجہ ڈالتا کہ مسرے کو چھٹی
کا دودھ ہی تو یاد آ جاتا۔
(۳۳) ایک افیونی کوئی آدھی رات گئے گھر کو واپس آ رہے تھے
ایک چوکیدار نے جو روند کو نکلا تھا، ناوقت پھرتے ہوئے انہیں
چور سمجھ کے ٹوکا۔ آپ جھٹ دیوار سے چمٹ کے چپ چاپ
کھڑے ہو گئے۔ چوکیدار جواب نہ پا کے آگے بڑھا۔ پوچھتا ہی
تو کچھ جواب نہیں ملتا۔ وہ سمجھا کہ شاید یہ بہرا ہی تب اُس نے
لکڑی سے ٹھوکا دیا۔ تب کہیں آپ بولے "کیا تیرے مُنہ پہ
آنکھیں نہیں ہیں جو مجھے آدمی سمجھا ہی ارے میں تو نقش بردیوار
ہوں۔ چوکیدار۔ "ہاں مجھے بھی معلوم ہی لیکن کوئی وجہ نہیں کہ
تصویر گلی میں ٹنگی رہے اس کو پولیس کی چوکی میں لٹکنا چاہیئے۔ خیر
زیادہ نہیں تو آج کی رات تو آپ وہاں چل کے لٹکیئے"

دھڑتے سے آیا، ان کو خبر تک نہ ہوئی وہ برتن بھی لے کر یہ جا وہ جا
اب تو افیونی کے طیش کی کوئی حد نہ رہی کہ دو بار سر مُنڈ چکا اب
انہوں نے قسم کھائی کہ آج کچھ بھی ہو جاتے ضرور اسے پکڑیں گا۔
برتن تو اُٹھا ہی لے جاتا ہی لاؤ آج ہمیں کلسے کی جگہ بیٹھیں۔ برتن
کی جگہ آپ خود سُکڑ سُکڑا کے بیٹھے کہ برتن سمجھ کے وہ ضرور مجھے
اُٹھائے گا۔ اور میں جھٹ اُسے پکڑ یوں گا۔ ایک چھوڑ دو بار دھوکا
کھا چکا ہوں اب مجھ سے بچ کے جاتا کہاں ہی؟۔ چور کو تو مزہ پڑ گیا
تھا آج بھی وہ اپنے وقتِ مقررہ پر آیا۔ دیکھا کہ دروازے کے
پاس ہی آپ ہاتھ پاؤں سکیڑ کے گٹھڑی بنے پڑے ہیں مگر
بے خبر۔ چور نے پاؤں کی آہٹ کی، کھانسا بھی کہ کسی طرح یہ
ہوشیار ہو جائے مگر وہ بدستور خوابِ غفلت میں رہے۔ تب
چور نے ایک کنکری اُٹھا کے ماری کہ اب تو جاگے گا۔ تو آپ
بولے ٹُن ٹُن گویا پیتل کے برتن پر کنکری پڑی۔ مگر پھر بھی
نہ اُٹھے۔ چور نے ایک بانس لے کے ایک ٹھوکا دیا تو آپ لڑھک
کر بولے بَٹ بَٹ بَٹ گویا کلسا لڑھک گیا اور یہ پانی بہنے کی
آواز ہی۔ چور تو افیونی کے ان ہفوات کا کچھ مطلب سمجھا نہیں نہ اُسے
اتنی فرصت تھی کہ اپنی اوقات ضائع کرتا۔ تان کر ایک لات رسید کی

دو کہ غنیم کو شکست ہو جائے۔ ان کے پاس سوائے کالی مرچوں
کے کیا دھرا تھا وہی تجویز کی۔ منوں کالی مرچیں پسوا کر بنیے کو جس
جو لشکر کی سربراہی کرتے تھے انہوں نے آٹے میں ملا کر فوج کو
دیں۔ لشکر کے سپاہیوں اور افسروں نے بے کھٹکے آٹا کھایا۔
آٹے کا کھانا تھا کہ سب کے سب اسہال میں مبتلا ہو گئے وہ
سمجھے کہ ہمیں زہر دیا گیا اور ڈر کے مارے بھاگے راجہ کی فتح
کے ساتھ ہری داس کی بھی فتح ہوئی۔

ابلہاں را ہمہ شربت ز گلاب و قند است ※ قوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر می بینم
اسپِ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالان ※ طوقِ زریں ہمہ در گردنِ خر می بینم

(۳۲) ایک افیونی افیون کا بڑا انٹا چڑھا کے ہمیشہ پینک میں
رہتے تھے جن کا شمار نہ سوتوں میں تھا نہ جاگتوں میں۔ ایک رات
وہ دروازے کی کنڈی لگانی بھول گئے۔ رات کو وہ اونگھ رہے تھے
کہ چور آیا اور ایک بٹلوئی لے کے چلتا ہوا۔ صبح کو جب افیونی صاحب
کو معلوم ہوا تو بہت گھبرائے کیوں کہ وہ شیخی مارا کرتے تھے کہ
میں ساری رات جاگتا ہوں۔ اب انہوں نے چور کے پکڑنے کی
یہ تدبیر کی کہ دروازہ جان بوجھ کر کھلا چھوڑ دیا اور ایک برتن
رکھ دیا کہ چور کو چاٹ تو پڑ ہی گئی ہے آج پھر آئے گا۔ غرض چور

اور بھگوان نے چاہا تو مریض چنگا ہو جائے گا۔ اتنی تو بات تو ہری داس
جیسے تن آسان کو بھی یاد رہ سکتی تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد ہری داس
اُن کی گدّی پر بیٹھے اور جو آیا، کالی مرچیں دینی شروع کیں۔ کسی
بُڑھیا کی گائے بھٹک کر جاتی رہی تھی وہ ویدجی کے پاس آئی
اور کہا میری گائے جاتی رہی ہے۔ کوئی ایسی دوا بتاؤ کہ وہ مل جائے
ہری داس کے پاس سوائے کالی مرچوں کے اور کیا دھرا تھا، اُٹھا
فوراً ایک پُڑیہ اُس کے حوالے کی۔ جس کو کھاتے ہی آگ پُھنک گئی
بُڑھیا بار بار گھر کے باہر ٹھنڈی ہوا لینے کو آتی۔ ابھی چھٹپٹا ہی
تھا کہ اُس نے دیکھا کہ گھر کے سامنے جو باڑہ ہے وہیں اُس کی
گائے کھڑی چر رہی ہے۔ گائے چھُٹ کر کہیں دور جنگل میں نکل
گئی تھی اب خود بخود چلی آئی لیکن بُڑھیا نے سمجھا کہ ہو نہ ہو یہ
دوا ہی کا اثر ہے۔ جو کھوئی ہوئی گائے مل گئی۔ اب ہری داس کا شہرہ
ہو گیا کہ بیماروں کا علاج تو وہ کرتا ہی ہے مگر اس کی دوا ایسی
مجرّب ہے کہ گم شدہ چیزیں بھی مل جاتی ہیں۔ کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا
تھا کہ راجہ نے ہری داس کو بُلا بھیجا۔ اُس کے ملک پر کوئی غنیم
لشکر جرّار لے کر چڑھ آیا تھا اور اس کے پاس اتنی فوج نہ تھی
کہ اُس کا مقابلہ کر سکے۔ راجہ نے ویدجی سے کہا کہ تم کوئی ایسی دوا

جانا پڑا۔ چند دنوں بعد پھر کوئی شکار ہاتھ لگا۔ حکیم صاحب کو آدمی بُلانے آیا۔ اُنھوں نے کہا "پہلے چار آدمی جمع کرلو جب میں آؤں گا" جو آدمی بُلانے آیا تھا اُس نے حیرت زدہ ہوکر پوچھا "یہ چار آدمیوں کی قید آپ نے کیوں لگائی ہی؟"

حکیم صاحب۔ ارے بھائی! مُردے کا اُٹھانا کوئی آسان کام نہیں، مجھے ایک دفعہ تجربہ ہوچکا ہی۔ تب سے میں نے یہ شرط کرلی ہی کہ کسی مریض کو اُس وقت تک دیکھنے نہیں جاتا جب تک کہ چار آدمی پہلے موجود نہ ہوں۔

(۳۱) **مجرّب علاج**۔ کسی گاؤں میں ایک ویدوہ اپنے فرزند **ہری داس** کو اپنا موروثی علم سکھلانا چاہتا تھا لیکن لونڈا ایسا کودن تھا کہ ہزار کوشش کی مگر اُس نے پٹھے پر ہاتھ ہی نہ دھرنے دیا۔ باپ کو اس کا بڑا صدمہ تھا کہ ایک ہی تو لڑکا اور وہ بھی جاہل۔ جب کا وقتِ آخیر آن پہنچا تو بیٹے کو بُلا کر کہا "میں نے ہرچند چاہا کہ تو ہمارے آبائی فنِ طبابت میں کچھ سیکھ مگر تیری تقدیر میں نہ تھا۔ میں تجھے ایک گُر بتلائے جاتا ہوں جس سے تیرا کام چل جائے گا۔ جو تیرے پاس علاج کو آئے بس پیسی ہوئی کالی مرچیں اُسے دے دیجیو یہ ہر چیز کے لیے مفید ہی

شمار نہ گیا۔ یہ کہہ کر سب ہنستی اور کلکاریاں بھرتی ہوئی بھد بھد کرکے بھاگیں۔

(۳۰) **نادر علاج**۔ کسی گاؤں میں ایک حکیم صاحب بڑے مشہور تھے۔ اُن کی دوا کبھی خطا نہ کرتی تھی جس کا اثر ساری عمر کے لیے کافی تھا اور پھر دوا کی ضرورت نہ رہتی نہ مرض عود کرتا تھا۔ ایک غریب آدمی کا اکلوتا لڑکا بیمار پڑا۔ حکیم صاحب علاج کو بلائے گئے مگر پہلے دن دوا کارگر نہ ہوئی۔ دوسرے دن باپ نے کہا دھڑکن بدستور ہے۔ کوئی دوا ایسی مجرّب دیجیے کہ اختلاج موقوف ہو جائے۔ حکیم جی نے اور دوا دی اور کہا کل آکے دیکھوں گا دوسرے دن آتے ہی مریض کو دیکھا اور آپ بڑی خوشی سے کہنے لگے "دیکھیے دھڑکن موقوف ہو گئی" باپ نے دیکھا کہا کہ "یہ تو سارا اکڑ گیا ہے نہ ہاتھ ہلائے نہ پاؤں"
حکیم۔ اس سے کیا مطلب، یہ کہو کہ دھگدگی تو مٹ گئی۔ لیکن مٹنا کیسا وہ بے چارہ خود ہی مٹ گیا تھا۔ باپ رونے پیٹنے لگا۔ اعزہ و اقربا اول منزل پہنچانے کا سامان کرنے لگے۔ جنازہ طیار تھا مگر آدمی تین ہی تھے۔ چوتھے کی ضرورت تھی اس لیے حکیم صاحب کو پکڑ لیا اور قبرستان تک اُن کو جنازہ اُٹھا کرلے

(۲۸) **کابلی اور ہندوستان**۔ بہت دن ہوئے کہ ایک کابلی ہندوستان میں وارد ہوا۔ اردو کے ایک دو لفظ کے سوائے انہیں کچھ آتا جاتا نہ تھا۔ بازار میں گشت کرتے کرتے ایک حلوائی کی دکان نظر پڑی جس میں انواع و اقسام کی مٹھائیاں چنی ہوئی تھیں۔ آپ نے انگلی سے ایک مٹھائی کی طرف بتلایا۔ حلوائی سمجھا کہ خاں صاحب اس مٹھائی کا نام پوچھتے ہیں اُس نے کہا "کھاجا" یہ لفظ ایک مٹھائی کا نام ہے اور خوردن کے معنے بھی ہیں۔ پٹھان صاحب سمجھے مجھے کھا جانے کو کہتا ہے جھٹ تھال کا تھال اُٹھا کے چٹ کر گئے حلوائی نے دام مانگے۔ خاں صاحب کچھ سمجھے کچھ نہ سمجھے، چلتے ہوئے۔ یہ پکارتا ہی رہا وہ ایسی کب سنتے ہیں حلوائی کوتوال کے پاس فریاد لے گیا۔ کوتوال نے خاں صاحب کو پکڑ بلایا پیسہ اُن کے پاس نہ تھا یا ہو اور دینا نہ چاہا تو کوتوال نے حکم دیا کہ اس کا سر مونڈ کر اور کالا منہ کرکے گدھے پر سوار کرو اور باجے کے ساتھ شہر میں پھراؤ کہ جو اس طرح کسی کا مال لوٹے گا اس کی یہی سزا ہے۔ یہ سزا ہندوستان میں بڑی ذلت ہے مگر کابلی صاحب بہت خوش ہوئے۔ جب کابلی اپنے وطن واپس گیا تو اس کے ہم وطنوں نے ہندوستان کا حال پوچھا۔ کابلی صاحب نے

لگے، بیوی ترکاری بیچنے لگیں۔ چند دن نہ گزرے تھے کہ قدر رو عافیت کھُل گئی۔ سادھو جی کو بیوی کا فراق ستانے لگا۔ کاچھن کو میاں کی یاد آنے لگی۔ دونوں کو ایک دوسرے کی قدر ہونے لگی کچھ دنوں بعد ایک طرف سے صدا آئی الکھ دوسری طرف سے **بھاجی لو بھاجی**۔ سادھو اور کاچھن رستے میں مل گئے، آمنا سامنا ہو گیا۔ نظر سے نظر ملی یہ نظر کچھ اور ہی کہہ رہی تھی۔ اب وہ تڑاق پڑاق زبان کے چرکے نہ تھے۔ ؎

دیکھتے ہی انہیں وہ حال نہ تھا ٭ مجھ کو گویا کبھی ملال نہ تھا

سادھو جی نے کاسۂ گدائی پھینک دیا۔ کاچھن نے ترکاری کا چھبّا پٹخ دیا دونوں دوڑ کے گلے مل گئے۔ سارے شکوے گلے سے گلے ملتے ہی دور ہو گئے۔ ؎

جھگڑی ذرا چشمِ جنگ جو بھی نکل گئی دل کی آرزو بھی
بڑا مزا اُس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

واقعی میاں بیوی کا ایسا ہی نکٹا رشتہ ہے۔ ان کی لڑائی بھی کوئی لڑائی ہے۔ ؎

کہتے ہیں کہ یہ کہتے، یہ کہتے جو وہ آتا
سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

باہم سلوک تھا تو اُٹھاتے تھے نرم گرم ※ کاہے کو میر کوئی دبے جب بگڑ گئی

میں بھرے سے اس دُنیا ہی سُسری کو لات مارتا ہوں۔ کہاں کی جورو کہاں کا کوئی۔ ؎

میری بگڑی ہوئی قسمت کا بھلا ہو جس نے
مجھ کو دو روز بھی آرام سے رہنے نہ دیا

میں آج سے جوگ لیتا ہوں۔ گھر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے خیرباد کہتا ہوں ؎

در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں
رخصت اے اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

میاں گھر بار چھوڑ کے نکل جانے پر آمادہ ہوئے تو بیوی بھی جل کے بولی تم اس دھمکی سے یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑوں گی اور قدموں پر سر رکھ دوں گی کہ اچھّی خدا کے لیئے تم نہ جاؤ، تم سے پہلے میں اس گھر کو جھلسا لگا دوں گی۔ خدا رازق ہے۔ بھاجی ترکاری بیچ کے اپنا پیٹ پال لوں گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گھر چھوڑ چھاڑ میاں نے ایک طرف کی راہ لی اور بیوی نے دوسری طرف کی اور عہد کر لیا کہ ساری عمر ایک دوسرے کی شکل نہ دیکھیں گے۔ میاں سادھو بنے اور بیوی کا چھن۔ میاں گاؤں گاؤں بھیک مانگتے

تم میری صورت سے بیزار ہوا ہیں نے اپنے ماں باپ کو تمہاری
خاطر چھوڑا بلکہ اپنے تمام کنبے کو صرف تمہارے لیے چھوڑا اور تم ۔۔۔۔
میاں ۔ اگر تم نے اپنے آنا باوا کو چھوڑا تو مجھے کیا بھاگ لگے ۔ تم
ہمیشہ مجھے یہی طعنہ دیا کرتی ہو روز سنتے سنتے میرے کان
بہرے ہوگئے ۔ کیا میں نے اپنے انّا باوا کو تمہارے کارن نہیں
چھوڑا اور گھر الگ کیا ورنہ کوئی اپنے والدین کو چھوڑتا ہے ۔
بیوی ۔ آج تمہارا عقدہ کھلا ۔ تم نے کب کا زہر اگلا ۔ اب تمہیں اپنے
کیے پر پچھتاوا آرہا ہے ۔ اب اپنے انّا باوا کے پاس شوق سے
چلے جاؤ ۔ روکے میری جوتی ۔ میرا بھی اللہ مالک ہے ۔ تقدیر سب
کے ساتھ ہے ۔ میں تمہاری ماں کی جوتیاں اٹھانے سے رہی نہ
مجھ سے تمہارے بھائی بہنوں کی باندی گیری ہوسکتی ہے ۔ چاہے تم
پیسے پر دھر کے میری بوٹیاں ہی اڑا دو مگر اس بندی سے تو یہ
ہونی نہیں ۔ جان جاتی ہے تو جائے مگر آن نہ جائے ۔
بات بڑھتے بڑھتے بڑھ گئی ۔ بیوی ایسے پنجے جھاڑ کے پیچھے پڑی کہ
شوہر بھی جامے سے باہر ہوگیا اور یہ کہتا ہوا گھر سے باہر چلا ۔ مجھ
سے یہ آئے دن کی کھٹ کھٹ اور جھک جھک نہیں سہی جاتی ۔
ایک دن کی ہو تو کوئی نرم گرم اٹھائے روز کا وبال کون اٹھائے

نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ میاں بیوی پر اور بیوی میاں پر فریفتہ تھے۔ یوں تو دو برتن جہاں رہتے ہیں کھٹک ہی جاتے ہیں۔ ان میں بھی کبھی کبھی دو دو چونچیں ہو جایا کرتی تھیں۔ مگر کیسی؟ ادھر روٹھے اُدھر منے، ادھر لڑے اُدھر ملے۔ ایک دن کمبخت ایسا آیا کہ دونوں کا مزاج برہم تھا اور دونوں اپنی اپنی جگہ لڑنے پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ میاں کا کچھ روپیہ ڈوب گیا تھا جس کے لیے وہ پریشان تھا اس پریشانی کا وہ بیوی سے ذکر تک بھی کرنے نہ پایا تھا کہ بیوی نے اس خاموشی کے معنے یہ لیے کہ میاں کی اگلی سی چاہت نہ رہی وہ بے رخی کرنے لگا ہے

راہِ وفا میں دو ہی قدم چل کے رہ گئے * کیا جان دو گے تم کہ زباں سے مکر گئے

بیوی اپنی جگہ تنی ہوئی تھی میاں اپنی سرگردانی میں مبتلا تھے۔ بیوی نے چھیڑ نکالی۔ کیا بات ہے تمہارے تیور کیوں بدلے ہوئے ہیں۔ اللہ سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے ہیں تم سے پٹھے کی ایک گوٹ لانے کو آج کی دن ہوئے کہا تھا باوجودیکہ بار بار یاد دلانے کے بھی وہ آج تک آئی ہی نہ۔

میاں۔ خدا کے واسطے میرا مغز نہ کھاؤ۔ اس وقت میری طبیعت حاضر نہیں ہے تم چلی جاؤ۔ بیوی۔ الٰہی خیر! اب یہ نوبت آگئی کہ

چلّاتے ہیں؟ انہیں کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور ہو۔"

مصاحب۔ غریب نواز! یہ سردی کی تاب نہ لا کے چلّاتے ہیں۔

راجہ۔ پھر یہ چاہتے کیا ہیں؟

مصاحب۔ جہاں پناہ! ان کو گھر چاہیئے اور پوشش۔

راجہ صاحب کو گیدڑوں کی حالت پر بہت ترس آیا حکم ہوا کہ پانچ ہزار اشرفیاں خزانے سے لو اور ان کے رہنے کے لیے مکان، سونے کو بچھونے، اوڑھنے کو کمّل لے دو اور ابھی ان کی آسایش کا سب سامان کر دو۔ روپیہ خزانے سے لے لو سب درباریوں نے حصّہ رسدی بانٹ چونٹ لیا۔ بات گئی گزری ہوئی چند دنوں بعد گیدڑوں نے پھر چلّانا شروع کیا۔ راجہ نے درباریوں کو بلا کے دریافت کیا کہ کیا تم نے اب تک ان غریبوں کا بندوبست نہیں کیا؟

درباری۔ ہاں، پرتھوی ناتھ (جہاں پناہ) جب ہی کر دیا۔

راجہ۔ پھر یہ چلّا کیوں رہے ہیں؟

درباری۔ اب یہ حضور کی جان و مال کو دعائیں دے رہے ہیں۔

راجہ یہ سُن کر بہت ہی خوش ہو گئے۔

(۲۷) میاں بیوی کا جھگڑا

بگاڑ کیا وہ نہ ہو جس میں کچھ ملاپ کی شان
نظر لڑا کر دل سے دل ملائے ہوئے

بانس کے اوپر ہنڈیا میں پونہچے گی تو پھر کیا وجہ ہی کہ چاول نہ پکیں ؟-
مہاراج - کچھ شک نہیں تو پاگل ہوگیا ہو- ہنڈیا میں اور آگ میں چھ
سات گز کا فاصلہ ہی، اتنی دور سے آگ کا اثر ہنڈیا تک کیسے پونہچے گا؟
بھانڈ - جہاں کا راجہ دیوانہ ہو وہاں کی رعایا دیوانی ہوا ہی چاہے، اگر
بالاخانے کی روشنی اس شخص کو جو تالاب میں ہو اتنے فاصلے سے
گرمی پونہچا سکتی ہی تو یقیناً اس آگ سے یہ چاول بھی پک سکتے ہیں
مہاراج - اب میں تیری چال سمجھا تو مطلب کا بڑا ہشیار ہی - واقعی برہمن
کے ساتھ میں نے اچھا سلوک نہیں کیا مگر اب بھی میں اُس کا نعم البدل
کرنے کو موجود ہوں بشرطیکہ کوئی اُسے ڈھونڈ لائے - گوپال بھانڈ
کے آواز دینے کی دیر تھی کہ برہمن سامنے آ گیا - مہاراجہ نے خزانچی
سے ہزار کی جگہ برہمن کو دو ہزار دلوا دیئے -
(۴۶) گیدڑ کیوں پکارتے ہیں ؟- ایک راجہ عقل سے معذور
تھا اُس کو یہ فکر ہوئی کہ ہماری راج دھانی کے قریب جو جنگل ہی اس
میں رات کو گیدڑ کیوں پکارتے ہیں جاڑا کڑاکے کا پڑ رہا تھا -
ایک روز رات کو گیدڑوں نے شور مچانا شروع کیا ہُکّا ہُو ہُو ہُو!
راجہ صاحب نے پریشان ہو کر اپنے مصاحب سے دریافت کیا
"کیوں جی ! یہ کیا بات ہی کہ روز رات کو گیدڑ اس بے قراری سے

تعجب ہوا کہ یہ کیا بکتا ہے۔ یہ بھی کوئی طریقہ کھانا پکانے کا ہے فوراً
ایک درباری کو بھیجا کہ جاؤ تم دیکھو کہ یہ کیا بات ہے؟ اُس نے
آکر عرض کیا "حضور بات تو وہی ہے جو چوب دار نے عرض کی
غلام سمجھتا ہے کہ گوپال بھانڈ دیوانہ ہوگیا ہے اس کی عقل ٹھکانے
نہیں ورنہ ایسا احمقانہ کام نہ کرتا" مہاراجہ کو اور زیادہ تشویش
ہوئی اور خود تشریف لے گئے۔ گوپال بھانڈ قدموں پر گر پڑا۔
اور کہا غلام کی خاطر حضور کو اتنی تکلیف ہوئی خواہان معافی
ہوں۔ میں غریب آدمی ہوں، باورچی کے رکھنے کا مقدور نہیں،
گھر والی بیمار پڑی ہے روٹی ٹکڑے کی سخت تکلیف ہے۔ پکائے کون؟
اس لیے خانہ زاد خود پکا رہا ہے۔ لیکن کچھ دیر نہیں لگے گی میں
نے خشکہ چڑھا دیا ہے ذرا اُبال آجائے کہ بس تیار ہے۔

مہاراج۔ لیکن تم جو چاول پکا رہے ہو وہ ہیں کہاں؟

گوپال۔ وہ دیکھیے بانس کے اوپر ہنڈیا ہیں۔

مہاراج۔ مسخرے یہ بھی کوئی طریقہ پکانے کا ہے۔ آگ کہاں، ہنڈیا کہاں؟
تیری عقل تو نہیں سٹرگئی ہے؟

بھانڈ۔ جی حضور! خشکہ پکنا کیا مشکل ہے۔ ہنڈیا، چاول، پانی ملاحظہ
فرمایئے سب کچھ اوپر موجود ہے۔ آگ نیچے جل ہی رہی ہے۔ اس آگ کی گرمی

محل میں جا رہا تھا اُس کی نظر برہمن پر پڑی، دیکھا کہ نہایت پریشان
بیٹھا ہے۔ پوچھا کیا ہوا؟ اُس نے اپنی مصیبت کا حال بیان کیا۔
گوپال بھانڈ کو اُس کی حالتِ زار پر رحم آیا اور بہت کچھ تسلی
دلاسہ دے کر کہا کہ تم میرے گھر چلو۔ وہاں دو ایک دن ٹھہرو
خدا نے چاہا تو میں ایسی تدبیر نکالوں گا کہ راجہ صاحب تم پر
مہربان ہو جائیں گے۔ برہمن کو کچھ آس بندھی اور بھانڈ کے
گھر میں جا رہا۔ بھانڈ نے ایک بہت لمبا بانس منگوا کر اپنے
گھر کے سامنے کھڑا کیا اور اُس پر ایک ہنڈیا رکھ دی اور
اُس کے نیچے بیٹھ کر آگ جلانے لگا۔ مہاراجہ نے دیکھا کہ آج
بھانڈ نہیں آیا اُس کی یاد ہوئی۔ چوب دار جو بلانے گیا اُس نے
یہ عجیب حالت دیکھی کہ گھر کے سامنے ایک لمبا سا بانس گڑا
ہے اُس پر ایک خالی ہنڈیا ٹنگی ہوئی ہے اور بھانڈ صاحب
نیچے آگ جلا رہے ہیں۔ چوب دار نے جا کر راجہ صاحب کا حکم
طلبی پہنچا دیا۔ بھانڈ نے کہا مہاراجہ صاحب سے عرض کر دینا کہ
میری بیوی بیمار ہے گھر میں کوئی پکانے والا نہیں، بھوک کے
مارے میری جان لبوں پر ہے، کھانا پکا رہا ہوں، کھاتے ہی حاضر
ہوتا ہوں۔ چوب دار نے جو دیکھا تھا عرض کر دیا۔ راجہ کو بہت

اب صبح کو صحیح سلامت نکل آیا۔ مہاراجہ ناممکن۔

پہرے والے۔ بالکل صحیح۔ ہم رات بھر ہوشیار رہے اور اُسے برابر دیکھتے رہے۔ اس میں ذرا فرق نہیں۔

مہاراج۔ تم نے یہ بھی اطمینان کر لیا تھا کہ اُس کے آس پاس کہیں آگ تو نہ تھی؟۔

پہرے والے۔ حضور نہیں۔ راجہ۔ اور روشنی؟۔ اُس کے پاس تو کوئی روشنی نہ تھی" البتہ حضور کے محل کے بالا خانے کی ایک روشنی نظر پڑتی تھی۔

مہاراج۔ کیا برہمن نے اُس طرف نہیں دیکھا؟

پہرے والے۔ ہاں اس کی تو قسم نہیں کھائی جاسکتی وہ بے شک دیکھ تو رہا تھا۔

مہاراج۔ میں بھی تو کہوں یہ کیا معاملہ تھا۔ اب بھید کھلا نا۔ کہ اس روشنی کی گرمی ہی سے جان بر ہوا۔ جاؤ اُسے کہہ دو کہ "اُس نے ہماری شرط پوری نہیں کی، ہم اُسے کچھ نہ دیں گے"۔ برہمن یہ سُن کر سکتے میں رہ گیا کہ رات بھر یہ عذاب بھی اُٹھایا اور نتیجہ یہ ہوا سے

قسمت کی بدنصیبی کو صیاد کیا کرے ٭ سر پر گرے پہاڑ تو فریاد کیا کرے

سر پکڑ کر وہیں محل کے پھاٹک کے باہر بیٹھ گیا۔ **گوپال بھانڈ**

جاتا ہیں نے کہا لاؤ سب کام ساتھ ہی کرتے چلو۔ بہت ممکن تھا کہ
آپ مر جاتے تو رات کو کون دوڑتا۔ اب آپ نہیں مرتے تو مشکل
کون سی ہے ہیں ان سب کو واپس کیئے دیتا ہوں اور کہے دیتا ہوں
کہ ابھی سرکار نہیں مرے"

(۴۵) کھانا پکانے کا نیا طریقہ۔ ایک غریب برہمن نے اپنی
بیٹی کی شادی کے لیئے کرشنا نگر کے مہاراجہ سے امداد چاہی
راجہ اس قسم کی درخواستیں آئے دن آنے سے چڑھ گیا تھا۔
برہمن کو خالی خولی ٹال دینا مشکل تھا لہذا حکم دیا کہ میں اس برہمن
کو ہزار روپیہ اس شرط سے دوں گا کہ یہ ہمارے محل کے سامنے
جو تالاب ہے اُس کے سرد پانی میں رات بھر پڑا رہے اور گرمی
پہنچانے کا کوئی سامان نہ کرے۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ برہمن واقعی
حاجت مند تھا۔ گو جلے کا جاڑا پڑ رہا تھا وہ اس شرط پر راضی
ہو گیا۔ مہاراج کو تعجب ہوا کہ ایسی سخت آزمائش میں یہ کیوں کر
پورا اُترے گا۔ پہرہ چوکی لگا دیا کہ ساری رات دیکھتے رہیں
کہ یہ شرط پوری کرتا ہے یا نہیں۔ صبح کو راجہ سمجھا کہ برہمن کا ٹھٹر کے
دم نکل گیا ہو گا مگر وہ ایسا سخت جان تھا کہ بچ گیا۔ پہرے
والوں نے آکے رپورٹ دی کہ برہمن رات بھر پانی میں رہا اور

آپ کے حکم کی تعمیل میں سر مو فرق نہ کیا اس سے زیادہ تو آپ نے کہا
نہ میں نے کیا۔ اس لیے آگ لگ جانے کا میں ذمہ دار نہیں۔

آقا۔ لیکن کیا تمہارے منہ پر آنکھیں نہیں ہیں۔ کچھ تو عقل سے کام
لیا ہوتا جو یہ نقصان نہ ہوتا۔ ہر کام میں انسان کو اس کے ہر پہلو پر
نظر رکھنی چاہیئے۔ یہ کام کرتا نہ ہوا ہر آئی جانی ہوتی۔

نوکر نے مالک کے ارشاد کو بہت غور اور توجہ سے سنا۔ تھوڑے
دنوں بعد آقا بیمار پڑے۔ اُنھوں نے کہا جا، حکیم جی کو بلا لا۔ انہوں
نے حالات پر غور کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ بہت ممکن ہے کہ آقا اس
بیماری سے جاں بر نہ ہوں اس لیے حکیم کے ہاں جاتے جاتے
آپ کفن اور گورکن کا بھی انتظام کرتے گئے۔ حکیم کے ساتھ مریض
کے عزیز قریب غسال اور کفن وغیرہ سب ضروری سامان بھی
آ گیا۔ یہ دیکھ کر گھر میں رونا پیٹنا پڑ گیا۔ حکیم جی نے مریض کو
دیکھ کر کہا آپ کو معمولی شکایت ہے کچھ ڈر نہیں، لیکن تعجب ہے
کہ آپ نے ذرا سی بیماری میں موت کا سارا سامان بھی کر لیا۔
آقا سن کر متحیر ہوئے کہ یہ کیا ماجرا ہے نوکر سے پوچھا تجھ سے
کس نے کہا تھا کہ ان سب لوگوں کو بلا لا۔ میں نے تو صرف حکیم جی
کو بلوایا تھا۔ نوکر۔ جی یہ میری پیش بندی تھی۔ بار بار بازار کون

ہوا کہ یہ گراں ڈیل جان دار جانور ہے اور گوشت اور خون کا بنا ہوا ہے

اگر روزی[1] ز دانش بر فزودے ؎ ز ناداں تنگ تر روزی نہ بودے

(۳۴) **دخل در معقولات**۔ ایک صاحب کا نوکر اول درجے کا احمق تھا۔ آقا نے ایک دن کہا کہ دالان کا فرش زمین بہت میلا ہوگیا ہے، ذرا دھو ڈالو۔ نوکر صاحب نے فرش کے ساتھ دیوار کو بھی دھو ڈالا کہ مالک میرے کام سے خوش ہوں گے۔ مالک دیکھتے کے ساتھ بگڑا کہ ارے کم بخت یہ تو نے کیا غضب کیا کہ دیواروں کو دھو کر سارا رنگ روغن غارت کر دیا۔ خبردار آیندہ سے جتنا کہا جائے اتنا ہی کام کرنا اپنی رائے کو دخل نہ دینا۔ چند دنوں بعد آقا نے کہا کہ کمرے میں لوبان گندھک جلادے کہ مچھر بہت ہوگئے ہیں نوکر نے ایک کڑھائی میں آگ سلگا کے بخور ڈال دیا ہوا تھی تیز چنگاریاں اڑ کے پردوں پر پڑیں پردے جلے فرش جلا سامان جلا، مگر نوکر صاحب ٹکر ٹکر دیکھتے ہی رہے اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں آقا نے دیکھ کر اپنا سر پیٹ لیا اور کہا ارے کم بخت جب ہوا اس روز کی چل رہی تھی تو تو نے آگ کیوں نہ بجھائی؟"

نوکر۔ آپ نے صرف یہ کہا تھا کہ آگ جلادے، میں نے جلادی!

[1] اگر روزی کا (گھٹنا) بڑھنا عقل پر موقوف ہوتا تو پھر تو نادان بڑے ہی گھاٹے میں رہتے۔ ۱۲

(۳۳) **ہاتھی اور دیہاتی** جس طرح گھوڑوں کے دلّال انواع واقسام کی چالاکیاں اور دغا بازیاں کرتے ہیں اُس سے بڑھ کر ہاتھیوں کی خرید وفروخت میں کارستانیاں کی جاتی ہیں۔ شمالی بنگال کے ایک بڑے بھاری میلے میں ایک تاجر کسی بڑے زمیندار سے ہاتھیوں کی ایک جوڑی کا سودا کر رہا تھا۔ ابھی معاملہ طے نہیں ہوا تھا کہ ایک دیہاتی آکر ہاتھی کے جوڑ بند نہایت غور سے دیکھنے لگا۔ زمیندار ہاتھیوں کو دیکھ بھال کے چلا گیا۔ دلّال سمجھا کہ یہ شخص ہاتھیوں کا مبصر ہے جبھی تو اس قدر غور سے دیکھ رہا ہے، کہیں اب نہ ہو کہ بنا بنایا سودا یہ بگاڑ دے اس لیۓ چپکے سے دس روپیۓ اُس کی مٹھی میں دھر دیۓ۔ اس کے بعد زمیندار آیا اور سودا پٹ گیا۔ ہاتھی تھان پر سے کھُل گۓ تب ہاتھیوں کے سوداگر نے اُس دیہاتی سے چپکے سے کہا کہ تم نے تو ہاتھیوں کی رگ رگ ٹٹول ڈالی، کہو کیا عیب تمہاری نظر میں آیا ہے۔

دیہاتی۔ بھیّا میں نے ہاتھی آج سے پہلے کبھی دیکھا نہ تھا اس لیۓ میں دیکھ رہا تھا کہ یہ پہاڑ کا پہاڑ کیا ہے اور ٹٹول اس لیۓ رہا تھا کہ یہ لکڑی کا بنا ہوا ہے یا پتھر کا ہے لیکن مجھے یہ معلوم کرکے تعجب

کی کھال کھاؤ گے تو بس اچھے ہو چکے" مریض بے چارہ سہم گیا کہنے لگا "جناب میں نے تو کبھی بھی چیتا نہیں کھایا۔ آپ یہ کیا فرماتے ہیں؟" حکیم جی۔ "اور جھوٹ بھی بولتے ہو؟ کیا آنکھوں میں خاک جھونکتے ہو۔" مریض جان گیا کہ یہ حکیم دیوانہ ہے اور اسی دن سے اس کا علاج چھوڑ دیا۔

(۲۲) طلائی طشتری۔ بغلول گاؤں میں کسی تہوار کی تقریب تھی لوگ شراب پی پی کر مست تھے کہ ایک شخص نے آکر کہا کہ "تالاب میں سونے کی طشتری چمک رہی ہے۔" زمیندار نے کہا "کہاں چل، بتا؟" اس شخص نے تالاب میں چاند کا عکس جو پڑ رہا تھا بتلا کر کہا "دیکھیے کیا میں جھوٹ بولتا ہوں"

لوگوں نے کہا "ہاں یار، بات تو سچ کہتا ہے۔" اسی وقت مچھیروں کو بلوا کر جال ڈلوائے گئے بہت سی مچھلیاں جال میں آئیں مگر وہ سونے کی طشتری کسی طرح ہاتھ نہ آئی جوں جوں چاند چڑھتا اور اترتا تھا ووں ووں اس کا عکس جھلملاتا تھا آخر کار چاند غروب ہو گیا گاؤں والے سمجھے کہ طشتری تالاب میں ڈوب گئی۔ اب تک ان کی اولاد اسی خبط میں مبتلا ہے۔ چاندنی راتوں میں جال ڈالتے ہیں۔ سونے کی طشتری دکھائی تو دیتی ہے مگر ہاتھ کسی کے نہیں آتی۔

سے انکار کیا مگر جب حکیم جی نے کہا کہ طبیب سے تم اپنا حال چھپاتے ہو اور جھوٹ بولتے ہو۔ تو یاد رکھو اور نقصان اُٹھاؤ گے" تو مریض نے دبی زبان سے اقرار کیا کہ ہاں واقعی میں نے نارنگی چکھی تھی۔ طبیب صاحب کی اس حذاقت پر کہ نبض دیکھ کر اُنھوں نے نارنگی کا حال دریافت کر لیا۔ شاگرد کو بڑی حیرت ہوئی جب وہاں سے چلے تو شاگرد نے حکیم صاحب سے پوچھا کہ یہ تو آپ نے کمال کیا کہ نبض سے سارا حال معلوم کر لیا۔ آخر مجھے بھی تو بتائیے کہ یہ گُر کیا ہے؟

حکیم۔ اسے تو بھی بڑا ہی کودن ہے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ کمرے میں گھستے ہی میں نے چوطرف نظر دوڑائی تھی۔ مریض کی چارپائی کے تلے نارنگی کے چھلکے پڑے تھے تو جس کے سر میں ذرا سی بھی عقل ہوگی وہ یہ نتیجہ نکالے گا کہ مریض نے ضرور نارنگی کھائی ہوگی شاگرد نے استاد کی بات کی گرہ باندھ لی۔ کچھ عرصے کے بعد انھوں نے اپنا مطب الگ شروع کیا۔ کسی مریض کو ملاحظہ کرنے تشریف لے گئے۔ جاتے ہی پہلے تو مریض کے کمرے کو چوطرف سے دیکھا مریض کی چارپائی کے تلے ایک چیتے کی کھال پڑی تھی۔ بس یہ دیکھتے کے ساتھ ہی آپ مریض سے بگڑ کے بولے کیا خوب! تم چیتے

جھگڑا ہی. وہ مسکہ مانگتی ہو اور میں دودھ. لایئے میرا انعام ابھی
کے جنیلی بھی ارتھی پر سے کودی اور کہنے لگی "ادھو جی میں جنیلی تو
ہارا. دودھ گیا مسکہ رہا" لوگ جو جمع تھے مُردوں کے اس طرح
اُٹھ بیٹھنے اور بولنے سے ڈر کے بھاگے. کالو اور جنیلی دونوں
اُن کے پیچھے دوڑے. کالو انعام انعام پکار رہا تھا اور جنیلی
خوش تھی کہ جیتی میں ہی.

(۲۱) **نبّاض حکیم**. ایک طبیب بڑا نبّاض مشہور تھا. نبض دیکھتے
ہی مریض کا سارا حال معلوم کر لیتا تھا. ایک دن طبیب صاحب
کسی مریض کو دیکھنے گئے اُن کے ساتھ شاگرد صاحب بھی تھے
جن کو بڑا شوق تھا کہ نبّاضی اور مرض شناسی کا کمال حاصل
کروں اس لیے جو جو حکیم جی کرتے تھے وہ بغور دیکھتا جاتا تھا
حکیم صاحب نے جاتے ہی اُس کمرے کو جہاں مریض تھا بغور
دیکھا. پھر مریض کی چارپائی کے پاس جا کر نبض دیکھنے لگے
نبض دیکھتے ہی حکیم صاحب کا مزاج ایک دم برہم ہوگیا اور کہنے
لگے "تم کو جو ترکیب بتلائی جاتی ہی اُس پر تم عمل نہیں کرتے تو
بھلا اچھے کیسے ہوگے؟ میں نے تمہیں کھٹاس کھانے کو منع کیا
تھا لیکن تم نارنگی چٹ کر گئے" مریض نے پہلے تو نارنگی کھانے

کون ہے اور مسکہ کون ؟ اس بات پر ٹھیرا کہ دونوں اپنی اپنی چارپائی
پر کمل اوڑھ کے پڑ گئے کہ ہم سے جو پہلے بولے وہ شرط ہارا۔ اب
میاں بیوی دونوں پڑے اینڈ رہے ہیں۔ نہ یہ بولتا ہے نہ وہ بولتی ہے
اسی بحثا بحثی میں راجہ کے ہاں بھی معمول کے موافق دونوں میں
سے ایک نہ جاسکا راجہ اور رانی دونوں نے کہا کیا بات ہے جو کالو
اور چنبیلی روز کے آنے والے کئی دن سے نہیں آتے۔ اُن کی
خیر خبر تو منگانی چاہیئے؟" راجہ نے ایک آدمی کو دوڑایا۔ وہ گیا
اور جاکر گھر کا دروازہ بند پاکر آواز پر آواز دی مگر صدا اسے بر
نہ خاست۔ واپس آکر راجہ سے کہا کہ وہ دونوں تو مر گئے۔
راجہ اور رانی کو اپنے وفادار نوکروں کے دفعتہً مرجانے کا
بہت صدمہ ہوا، اُن کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا۔ غرض دونوں کو
ویسے ہی لیٹے لٹائے ارتھی پر لٹا کر مرگھٹ کو جلانے کو لائے
اب بھی اُن میں سے کسی نے جنبش نہ کی۔ راجہ نے کہا میں بھی تو
جاکر دیکھوں کہ یکایک دونوں کیسے مر گئے لیکن راجہ کی سمجھ میں بھی
کچھ نہ آیا۔ کہا کہ "جوان کی موت کا صحیح صحیح سبب بتلائے گا اُسے
میں سو روپئے انعام دوں گا" یہ سنتے ہی کالو جھٹ اُٹھ بیٹھا
اور کہنے لگا کہ میرے اور میری بیوی کے دودھ اور مسکے یہ

(۳۰) مسکے کی فتح۔ کسی راجہ کے ہاں کالو اور چنبیلی دو میاں بیوی سارے نوکروں میں راجہ کو بہت عزیز تھے۔ میاں بیوی بڑی محبت اور سلوک سے رہتے تھے لیکن ایک دن دونوں کی بگڑ گئی۔ میاں بیوی دونوں کا ارادہ ایک گائے خریدنے کا تھا۔ چنبیلی بولی۔ "میں گائے اور اُس کے ننھے مُنّے بچے کو بڑے چاؤ چونچلوں سے پالوں گی"

کالو۔ مجھے گائے سے تو غرض نہیں۔ مگر ہاں دودھ ضرور مجھے پسند ہے۔ کچھ ملائی بھی اگر مل جائے تو کیا کہنا۔

چنبیلی۔ بس منہ دھو رکھو۔ میں دودھ ملائی، کچھ بھی دوال نہیں میں دودھ سے مسکہ نکالوں گی، چھاچھ بناؤں گی یا الفتوں کا منہ جھلسوں گی۔ ذرا بھرا دودھ جو رہے گا وہ بچھڑا پیئے گا۔

کالو۔ تو یوں کہو! تمہیں مالک و مختار ہو۔ ہم تو کچھ نہ ٹھیرے۔

چنبیلی۔ گائے اور بچھڑے کی دیکھ ریکھ جب میرے ذمے ہے تو جو سیوا کرے گا وہی میوا کھائے گا۔

کالو۔ یہ کوئی بات نہیں۔ میں تیرے اچھے سے دودھ لوں گا۔ بیچ کی جب گفتگو ہونے لگی آپ سے تم، تم سے تو ہونے لگی غرض بات بڑھتے بڑھتے بڑھ گئی آخر اس مسئلہ کا فیصلہ کہ دودھ

کہا [illegible] غ
جب [illegible] سے
یہ تو روشن ہی آفتاب کی طرح
نہ مرے پاس ملک ہی نہ مال
نہ ترا زور میرے خاطر میں
حق تعالی نے دے کے استغنا
زور اور زر تو سُن لیا اپنا
کتنے انسان بنام اس کے ساتھ
جنبشِ پاے گرد سے جن کے
اور جس وقت بادشاہ وگدا
نہ توے تاج وتخت جاوے گا
پس میں کس واسطے کروں تعظیم
تو ہی اب دل میں اپنے کر انصاف
غرض اتنا گدا کی باتوں نے
پھینک کر سر سے تاجِ شاہی کو
آخر الامر اُن نے ای سودا
چھوڑ کر بادشاہتِ دُنیا

کُلہ و بوریا پہ اپنے نگر
کہا ای بادشاہِ زور آور
پر نہ دیووں میں تجھ سے زور آور
چھین لینے کا جس کے ہووے ڈر
نہ میں لاؤں نظر میں تیرا زر
کہہ دیا ہی طمع کسو سے نہ کر
حشمت وجاہ سے جو پوچھے اگر
فی الحقیقت وہ اُن سے حیواں تر
حرص رکھتی ہی اُن کو خاک بسر
اس جہاں سے کریں گے عزمِ سفر
کُلہ و بوریا نہ میں لے کر
تجھ میں کیا ہی کمال و فضل و ہنر
میں ہوں احمق کہ تو ہی گیدی خر
کیا اُس بادشہ کے دل میں اثر
گر پڑا اٹھ کے اُس کے قدموں پر
مال اور مُلک سے اٹھا کے نظر
باندھی عقبیٰ کی سلطنت پہ کمر

یہ نسخہ تو جس وقت لے کر بنائے
کہا اپنی یہ بات ممکن نہیں
تمہیں اس کا دینا جو منظور تھا
نہ سمجھا غرض اُسکے رمز و نکات
کہ جب دل کو خطرے پہ قادر کیا
(۱۹) یوں سُنا ہی کہ خسروِ اک عصر
دیکھا درویش کو جو خسرو نے
رو کیئے آخرت کو بیٹھا تھا
دستِ مطلب کو کھینچ عالم سے
بادشہ نے کیا جب اُس کو سلام
اور بعد از تاملِ بسیار
دیکھ کر یہ سلوک سلطاں نے
کہا درویش سے کہ اے احمق
مجھ سے خسرو کے تئیں تُو کی تعظیم
کون دُنیا میں آج ہی مجھ سا
کون ایسا ہی اب جہاں میں گروہ
مجھ کو سجتا ہی جامۂ نخوت

کبھی دل میں بندر کا خطرہ نہ لاتے
جو خطرہ ہو دل میں وہ جانے کہیں
تو اس حرف کا کون مذکور تھا
کہ پردے میں تھی مردِ عارف کی بات
تو پھر ہیچ ہی خطرۂ کیمیا
ایک درویش کے گیا تھا گھر
آیا اس حال میں وہ اُس کو نظر
پشت دنیائے دوں طرف دیکر
پا دراز اپنے بوریا اوپر
سرسری سا ہوا وہ دست بسر
کی اشارت کہ جا کے بیٹھ اُدھر
ہو کے چیں ابرو اور غصہ کر
کچھ بھی تجھ کو شعور سے ہی خبر
باج دیتا ہی جس کو اسکندر
مالکِ تخت و صاحبِ افسر
زور و زر سا تھ مجھ سے ہو ہمسر
نہ کہ تجھ سے کو ہے تیرے زیب اور

نہ گزرا تھا اس بات کو ایک دم — جو نازل ہوا نفخ در شکم

جو مسدود تھی ریح رودوں کے بیچ — ہوئی دفع کھلتے ہی سدّوں کے بیچ

بہر حال مرشد نے پائی شفا — کہا کر کے دعوت کو اپنے دفا

کہا مرد درویش نے ای عزیز — اسے چاہیئے شخص کر لے تمیز

کہ خواہش ہی اس سلطنت کی جہاں — کہ وابستہ اک گونہ پر ہستی نداں

یہ دنیا جہاں جائے یک چند ہی — عبث دل ترا اس جگہ بند ہی

ہی در پیش اک عمدہ تجھ کو سفر — رکھ احوال ملکِ وداں کا مدِّ نظر

کہ یاں تو جو کچھ پیش آجائے گی — بہر حال دو دن ہیں کٹ جائے گی

اگر ہی گدایاں وگر بادشاہ — ہی دو دن کا زیرِ زمیں خوابگاہ

مسلّم ہوا جب کہ ہونا ہلاک — [1] چہ بر تختِ مردن چہ بر روے خاک

(۱۸) سنا جائے ہی ایک ہوّس کا حال — کہ رکھتا تھا انت کیمیا کا خیال

یہ کچھ کر کے دل بیچ اپنے قیاس — گیا ایک درویش کامل کے پاس

رہا اُن کی خدمت میں تا چند سال — کیا ایک دن وقت پا کر سوال

اگر کیمیا آپ کو یاد ہو — تو بندے کو بھی لیئے ارشاد ہو

کہا ہی یہی گر ترا مدّعا — تو بہتر ہی دیتا ہوں تجھ کو بتا

یہ اجزا ہیں اسکے تو جا اور لے آ — یہ ترکیب ہی اس طرح سے بنا

غرض طور جب کر لیئے سب بیاں — کہا اس میں اک شرط ہی درمیاں

---

[1] تختِ شاہی پہ مرے تو کیا اور فرشِ خاک پر مرے تو کیا، مرنا مرنا سب برابر۔ ۱۲

کہہ رہی تھی اور ٹپ ٹپ آنکھ سے — اشک اُس کے تھے زمیں پر گر پڑے

روتے روتے سو گئی وہ گلبدن — دیکھتی ہے خواب کیا ہے اک چمن

ہے چمن ایسا شگفتہ پُر بہار — باغ ہیں دُنیا کے جس پر سب نثار

باغ سے جنّت کے ہے ایسی مثال — شمع جیسے نورِ خالق کی مثال

مثل دونوں کے نہیں یاں کوئی شے — صرف سکھلانے کا تیرے ڈھنگ ہے

اک محل تھا اُس چمن کے بیچ میں — جس میں تھیں موجود ساری نعمتیں

چاندی اور سونے کی اینٹیں تھیں لگی — مشک اور کافور سے تھیں وہ چنی

اُس محل پہ نام اُس عورت کا تھا — موٹے حرفوں میں سیاہی سے لکھا

بچے اُس کے سب کے سب موجود تھے — اُس کی جانب کھلکھلا کر ہنس پڑے

دیکھے تو، ایک فرشتے نے کہا — اجر تجھ کو صبر کا ہے یہ ملا

(۱۶) سُنا ہے[1] کہ اک مردِ اہلِ طریق — نہایت ہی واقع ہوا تھا خلیق

صفت سے تواضع کے موصوف تھا — تعدّی کے عالم میں معروف تھا

غرض چاہیے آدمی میں جو چیز — رکھے تھا سبھی خوبیاں وہ عزیز

قضا کار مجلس میں ہوتا کہیں — اُڑاتا نہ مُنہ سے مگس کے تئیں

کسی نے کیا اُس سے اک دن سوال — کہ اس وضع سے کیا ہے تیرا مآل

جو ہلنے میں ٹک ہاتھ کے ہووے کام — تو حاصل اُٹھانے سے تکلیف نام

کہا راستی ہے جو تیں نے کہا — وَلے اس سے میرا یہ ہے مدّعا

[1] ۱۶ تا ۱۹ یہ چار حکایتیں کلیاتِ سودا سے لی گئی ہیں۔ ۱۲

(نتیجہ) جس کی بیوی ہو حسین اور پارسا ۔ ہے اگر مفلس بھی وہ، ہے بادشا
جس کی ہو بیوی رفیق و غم گسار ۔ گھر میں حاصل ہے اُسے باغ و بہار
پارسا اور خندہ پیشانی ہو گر ۔ خوب صورت گر نہیں پرواہ کر
ہے اگر گھر میں گل اندام اور حسین ۔ بد مزاج اور جنگ جو چیں بر جبیں
جس کے مُنہ میں ہاتھ بھر کی ہے زبان ۔ رہتی ہے شوہر سے ناحق بدگماں
کچھ خبر رکھتی نہیں اولاد کی ۔ گھر وہ دوزخ سے نہیں کم تر کبھی
موافقت ہے شوہر و زن میں اگر ۔ حق کی اُس گھر پر ہے رحمت کی نظر
مرد و عورت میں نہیں گر اتفاق ۔ ہے دلوں میں اُن کے گر بغض و نفاق
قہرِ رب اُس گھر پہ سمجھو بالضرور ۔ خواہ اُن میں ایک ہی کا ہو قصور

(۱۵) ایک عورت جنتی تھی گو ہر برس ۔ پر گئی بچے کو گودی میں ترس
بچہ جب ہوتا کوئی دو ماہ کا ۔ دفعتہً ہوتا تلف جیتا نہ تھا
بس بچے اس طرح جب مر گئے ۔ گود سے ماں کی خدا کے گھر گئے
ایک دن عورت نے کھینچی ایک آہ ۔ اور کہا تیری دُہائی اے الٰہ
ایسی کیا تقصیر اس لونڈی نے کی ۔ نو مہینے محنت اور دو مہ خوشی
آرزو کا نخل جب لاتا ہے بار ۔ دو مہینے دیکھتی ہوں گل بہار
میں نے کھلتا ایک بھی دیکھا نہ پھول ۔ غم کی آئے دن مرے لگتی ہے ہُول
اک بنا دولہا نہ اک دُلہن بنی ۔ اک بنا دیکھا نہ اک دیکھی بنی

بیوی جو آئی بڑی چالاک تھی
رات دن تھا کھانے پینے سے جو کام
ایک دن مہمان آیا اُس کے گھر
بھونتی تھی چولھے پر جب دیگچی
دیکھ کر ہانڈی کو خالی یہ کہا
اور کہا تم کو نہ آئے گا یقیں
یہ نگوڑی بلّی اس کو دیکھنا
کرتی ہے ای لو وہ منہ پنجوں سے صاف
بھونتی تھی میں مسالا گوشت کا
میں لگی چکھنے مسالے کا نمک
جاؤ جلدی گوشت لاؤ اور تم
گر یہ مسکیں کو ہو کیا دیکھتے
کچھ نہ بولا مردِ صاحب دل مگر
پلڑے میں بلّی کو رکھا کی نہ دیر
پھر کہا، مجھ کو بتا اے بے حیا
گوشت میں لایا تھا پورا سیر بھر
گوشت ہے گر یہ، تو بلّی ہے کہاں؟

بد رویہ بے حیا بیباک تھی
پڑ گیا تھا بی چٹوری اُس کا نام
اُس کی خاطر گوشت لایا سیر بھر
بوٹی اک اک چن کے تریا (عورت) کھا گئی
لائی باہر سے میاں کو وہ بلا
ہے مگر سچ، جھوٹ ذرّہ بھر نہیں
بیٹھی ہے کیا بھولا بھالا منہ بنا
مت سمجھنا میرے کہنے کو خلاف
گوشت تھا اک طاس میں رکھا ہوا
گوشت کو یہ کر گئی چٹ بے دھڑک
آ کے پھر کر لینا فکر و غور تم
گوشت کیا اُلٹا یہ دے گی تم کو دے
جا کے لے آیا ترازو دوڑ کر
وزن میں پوری وہ نکلی ایک سیر
وزن ہے بلّی کا یہ۔ یا گوشت کا
دیکھا تھا تو نے بھی اُس دم تول کر
ہے جو بلّی، گوشت کا نے پھر نشاں

نیک بخت ایسے ہیں معدود و وحید
آشنا یہاں کا اُن کے روبرو
منہ بنا کر شاہ نے اُس سے کہا
پھر بلایا دوسرے کو اپنے پاس
کیا سبب ہے جو ترا یار فلاں
تجھ کو کہتا ہے بڑا غدار ہے
سُن کے اُس کو غصہ آیا اس قدر
سیکڑوں دُشنام پھر اُس نے دیئے
بادشہ نے یہ کہا خاموش ہو
آزماتا تھا تجھے اے خوش لقا
صاف اُس کا دل ہے تیرا ہے پلید
(نتیجہ) گر بُری ہو صورت اور سیرت بُری
ہو بُری صورت مگر سیرت ہو نیک
(۱۴) تھا مجرد اور بڈھا ایک مرد
بچپن سے رہتا تھا صبح و مسا
جب کہ آتے ہیں بڑے گیدڑ کے دن
دوڑتا تب ہے وہ جانب شہر کی

جو نہیں ہیں عیب چیں اور خود پسند
عیب کھلاتا ہے اُن کے موبمو
دور ہو پردے کے پیچھے بیٹھ جا
اور کہا اُس غور سے اے حق شناس
عیب صد ہا کرتا ہے تجھ میں بیاں
چور ہے کذاب ہے مکار ہے
جھاگ بھی منہ سے گرے کچھ فرش پر
چھان ڈالے عیب اصل و نسل کے
ہو گئی معلوم مجھ کو تیری خو
پاک باطن تم میں سے ہے کون سا
تو ہے شیطاں اور وہ مرد سعید
تُف ہے اُس صورت پہ گو وہ ہو پری
اُس کے قدموں پر تو دے سر اپنا ٹیک
آزمودہ تھا جہاں کے گرم و سرد
آئی کم بختی نکاح اک جا کیا
اور چڑھتا سر پہ ہے شامت کا جن
بچ کے وہ آتا نہیں زندہ کبھی

علم مجلس اور آداب طعام
علم تدبیر و سیاست اور کلام

الغرض ہر علم میں وہ طاق تھے
نیزہ و شمشیر میں مشّاق تھے

ایک سے تھا ایک بڑھ کر ہر طرح
کی عنایت شہ نے ان پر ہر طرح

ایک تھا گندہ دہاں اور دوسرا
ظاہری عیبوں سے بالکل پاک تھا

ایک دن وہ شاہ تھا خلوت نشیں
دل میں سوچا امتحاں لیجے یہیں

تاکہ ہو معلوم وقتِ امتحاں
کون سا ان میں ہے درِّ شائگاں

ایک کو کر کے طلب دیوان میں
یہ کہا چپکے سے اُس کے کان میں

یہ جواں تیرا جو ہے یار و رفیق
حال پر جس کے تو ہے اتنا شفیق

کرتا رہتا ہے تری بدگوئیاں
تیری غیبت اُس کی ہے وردِ زباں

چور اور گندہ دہن جھوٹا حقیر
تجھ کو کیا کیا یہ نہیں کہتا شریر

وہ توجہ سے بہت سُنتا رہا
اور پھر ہنس کر کہا تو یہ کہا

میں نے تو اُس سا نہیں دیکھا کوئی
باحیا خوش خُلق اور نیک آدمی

دوست میں وہ دیکھتا ہے عیب گر
مُنہ پہ کہہ دیتا ہے اُس کے بےخطر

آزمایا اس کو میں نے بارہا
جھوٹ کی عادت نہیں اُس میں ذرا

ہے یہ ممکن مجھ میں ہوں یہ عیب سب
ورنہ وہ کہتا نہ ہرگز بے سبب

آدمی گر عیب اپنے دیکھتا
فرصت اپنے سے نہ پاتا یہ ذرا

ہے خودی میں محو وہ بے شک و ریب
اِس لیے ہے دیکھتا اوروں کے عیب

ہنس کے جھکتا تھا زمیں تک اس قدر ۔ جا لگا اک بار سر بھی فرش پر
جب سپاہی اس طرح سجدے میں تھا ۔ ایک اور اُس نے لیا ٹکڑا اُڑا
پھر کہا جب ہوش میں آیا جواں ۔ اک لطیفہ اور بھی اُستاد، ہاں
بولا درزی اب نہیں فرصت ذرا ۔ ایڑ کیجے بس بگڑتی ہے قبا
(نتیجہ) ہے سپاہی سے غرض وہ بے خبر ۔ اپنے تقوے کے فقط جو زعم پر
سامنا کرتا ہے جا شیطان کا ۔ ہے یہاں درزی سے شیطاں مدعا
عمر اطلس چھٹکے ہیں شہوتیں ۔ رات دن قینچی ظرافت غفلتیں
(۱۳) ایک شہ کے پاس آئے دو غلام ۔ تھے وہ دونوں حسن میں ماہِ تمام
خوش نویسی میں تھے آقا و عماد ۔ نظم میں ہر اک نظامی سے زیاد
مانی و بہزاد تھے تصویر میں ۔ اور نظام الملک تھے تدبیر میں
تھے ارسطو دانش و اخلاق میں ۔ اور فلاطوں حکمتِ اشراق میں
ریزہ چیں اُن کا لغت میں جوہری ۔ نحو میں تھے ابنِ حاجب اور رضی
اصمعی سے بڑھ کے دونو تھے ادیب ۔ اور فصاحت میں تھے سحباں کے رقیب
جڑتا تھا موتی ہر اک تحریر میں ۔ پھول مُنہ سے جھڑتے تھے تقریر میں
علم میں تاریخ کے تھے بے نظیر ۔ واقدی اک، دوسرا ابنِ اثیر
ہندسے میں اُن کو تھا اتنا کمال ۔ بدر تھے وہ اور اقلیدس ہلال
طب حدیث و فقہ و قرآں نسب ۔ ابنِ سینا کی طرح تھے حفظ سب

ہو کے چوکنا مقابل جم گیا — چشموں پر قینچی کے دیں آنکھیں لگا
تھا بہت باتون درزی اور منہ‌سوڑ — یاد تھے اُس کو ہزاروں جوڑ توڑ
یہ ارادہ کر کے اُس کو دھوکا دے — چٹکلے کہنے شروع اُس نے کیے

(۱۳) ایک درزی کی کہیں شادی ہوئی — بیوی جو آئی وہ تھی لکھی پڑھی
تھے ہزاروں شعر اُستادوں کے یاد — مانگتی تھی پڑھ کے ہر شعر اُس پہ داد
پوچھتی تھی پھر کہ سمجھے آپ کیا؟ — مطلب اس کا دیجیے مجھ کو بتا
سُن کے درزی دم بخود بیٹھا رہا — شعر فہمی سے اُسے نسبت تھی کیا
قاعدے بچپن میں پھاڑے تھے کئی — پر الف با بھی نہ ساری یاد تھی
جب کہ بیوی نے کیا ناچار سخت — دل میں کر کے فکر کچھ وہ نیک بخت
بیٹھا بیٹھا سر ہلانے لگ گیا — لے رہا ہے شعر کا گویا مزا
بیوی بولی لے لو کھا جاؤں قسم — تم سمجھتے ہو مجھے دیتے ہو دم
وہ لگا کہنے کہ میری عقل میں — جو کچھ آتا ہے بتاتا ہوں تمہیں
میں تو یہ سمجھا ہوں واللہ بالیقیں — بیوی میرے گھر تو تُو ٹکتی نہیں
یہ لطیفہ سُن کے وہ ایسا ہنسا — جا پڑا اُلٹا کہ گویا مست تھا
دیکھ کر موقع لیا درزی نے کاٹ — فوراً اُس کے تھان سے چوتھائی پاٹ
اُٹھ کے جب بیٹھا سپاہی نے کہا — ہاں! خلیفہ اور ہو اک چٹکلا
پھر سُنائے ایسے اُس کو چٹکلے — پیٹ میں مارے ہنسی کے بل پڑے

رفتہ رفتہ بات یہ بھی چل پڑی
وہ فلاں درزی بڑا ہے مُفتری

لاکھ ہشیاری کرو اُس کے لئے
پر نہیں ٹلتا وہ بے چوری کئے

اک سپاہی تھا وہاں بیٹھا ہوا
آ کے شیخی میں وہ یوں کہنے لگا

ہیں یہ سب کہنے کی باتیں دوستو
میں لگاتا شرط ہوں تم کچھ بدو

جاؤں گا کل فجر کو میں دیکھنا
سامنے کٹواؤں گا اپنی قبا

میں بھی دیکھوں اُس کی عیّاری ذرا
مجھ سے کیا کرتا ہے طرّاری بھلا

مجھ کو گر دے جائے دھوکا وہ لعین
ہار جاؤں اپنا گھوڑا اور زین

دوسرے دن لے کے اک اطلس کا تھان
پہنچا درزی پاس بولا اے جوان

ہاں ابھی اس تھان سے میرے لئے
اک قبا لے کاٹ میرے سامنے

شہر میں چالاک تو مشہور ہے
پر یہ بندہ بھی بہت ہی دُور ہے

آؤں گا ہرگز نہ تیرے داؤں میں
اور ہیں وہ داؤ دیتا ہے جنھیں

اُنگل اُنگل کا میں کروں گا حساب
انگلیوں پر ہے مری سارا حساب

عرض کی درزی نے قبلہ بیٹھیے
شک یہ ڈالا کس نے دل میں آپ کے

عمر ساری ہو گئی کرتے یہ کام
ایک کترن تک سمجھتا ہوں حرام

پھر کسی اُلّو کو دھوکا دے بھی دوں
آپ جیسے سے بھلا دھوکا کروں؟

جانتا ہوں سیکڑوں مجھ سے سرے
ناخنوں میں آپ کے ہوں گے پڑے

لے کے قینچی ہاتھ میں اُستاد جب
کاٹنے اطلس لگا وہ مرد جب

بد عنوں سے پُر عبادت اُن کی ہے ۔ سب ریا اور زور طاعت اُن کی ہے
بے وقوفوں کو نہیں معلوم آہ ۔ ہر عبادت اُن کی ہے خالص گناہ
ہیں وہ بہرے کی طرح دھوکے میں سب ۔ رحمتوں کی جانے دیکھیں گے غضب
(١٠) مرتضیٰ کے پاس آئی دوڑتی ۔ ایک عورت اور بولی یا علیؑ
آپ ہیں مشکل کُشا خیبر شکن ۔ آ پڑی مجھ پر ہے اک مشکل کٹھن
ایک ہی بچہ ہے اے مولا مرا ۔ جو نہیں اک سال سے ہرگز سوا
سی رہی تھی چھت پہ میں بیٹھی ہوئی ۔ کھیلتا تھا بچہ میں مصروف تھی
ہو گئی تھی ہاں یونہی اک دم کی دم ۔ اُس کی جانب سے توجہ میری کم
سچ ہے یہ تقدیر ہوتی ہے اٹل ۔ پونہچا پرنالے پہ وہ گھٹنوں کے بل
اب اگر جاتی ہوں میں اس کی طرف ۔ ہے گماں غالب کہ ہو گر کے تلف
دودھ کا لالچ دیا میں نے بہت ۔ تھا جو کچھ کرنا کیا میں نے بہت
پر وہ پرنالے سے ہٹتا ہی نہیں ۔ جم گیا ہے صورتِ نقشِ نگیں
مسکراتا ہے مجھے وہ دیکھ کر ۔ بلبلوں میرا اُچھلتا ہے جگر
شاہِ مرداں نے بیاں اُس کا سُنا ۔ یوں ہوئے پھر لب کُشا مشکل کُشا
اُس کا ہم سن کوئی بچہ ہو اگر ۔ اور وہ بچہ اُسے آئے نظر
جب کشش ہم جنس کی وہ پائے گا ۔ فوراً اُس کو دیکھ کر ہٹ جائے گا
(١١) وقتِ فرصت کچھ جو ان سے فکر و غم ۔ دل لگی کی کرتے تھے باتیں ہم

(۷) عیسیٰ روح خدا سے یہ سوال
سب سے بڑھ کر خوفناک اور سخت شے
یوں ہوئے گوہر فشاں وہ پاک لب
عرض کی اُس نے کہ یہ بالکل بجا
یہ دیا سن کر مسیحا نے جواب
ہو نہ غصے اُن پہ جو محکوم ہیں
غصہ اپنا تو اگر پی جائے گا

(۸) ایک بہرے نے کسی سے یہ کہا
جا عیادت کے لیے اے نیک پے
یہ کہا اُس نے کہ وہ بیمار ہے
سمجھوں گا کیوں کر بھلا میں اُس کی بات
پھر کہا دل میں کہ کچھ پروا نہیں
ڈالتا ہے دل میں صدہا وسوسے
ہے عیادت کی مقرر بات چیت
الغرض بہرا گیا بیمار پاس
دیکھ کر بہرے کو گرم التفات
کیا کہوں اے مہرباں مرتا ہوں میں

ایک دانا نے کہا اے با کمال
کون سی اس عالم ہستی میں ہے
سخت تر ہے سب سے خالق کا غضب
اُس سے بچنے کی مگر تدبیر کیا
یاد کر کے قہر کا اُس کا عذاب
کر نہ ظلم اُن پہ جو خود مظلوم ہیں
اُس کی رحمت میں جگہ تو پائے گا

سخت ہے بیمار ہمسایہ ترا
پوچھنا بیمار کا مسنون ہے
اونچا سننے کا مجھے آزار ہے
پیش آئیں گی بہت سی مشکلات
مجھ کو بہکاتا ہے شیطان لعیں
گر ارادہ کوئی نیکی کا کرے
خوب ہے معلوم مجھ کو رسم و ریت
جا کے بیٹھا سامنے اُس کے اداس
اس طرح بیمار نے کی اُس سے بات
ہیں جو باقی چند دم بھرتا ہوں میں

پکڑے جاتے ہیں گدھے بیگار میں — کچھ گدھے در کار ہیں سرکار میں

آپ تو، اُس نے کہا، انسان ہیں — اور خدا کے فضل سے باشان ہیں

گر پکڑتے ہیں گدھوں کو شہر میں — ہم کو کیا مطلب ہے اس سے اور تمہیں

آپ کی شکل و شباہت اور ہے — اور گدھوں کی شکل و عادت اور ہے

فکر یہ ناحق ہے کیوں پھر آپ کو — کیا تعلّق اُن سے آخر آپ کو

کیا نرے احمق ہیں سرکاری نفر — آپ کو جو فرض کر لیں گے وہ خر

یہ جواب اس نے دیا کیجے قیاس — آپ جیسے سب نہیں مردم شناس

جب پکڑ لیں گے مجھے بازار میں — اور لے جائیں گے پھر سرکار میں

بے تمیزوں سے پڑے گا سابقہ — میں کہاں تم کو پھروں گا ڈھونڈتا

(نتیجہ) احتیاط انساں سدا کرتا رہے — ہے مناسب اُس کو وہ ڈرتا رہے

یہ نہ سمجھے میں تو بالکل پاک ہوں — ڈر ہے کس کا وہم میں پھر کیوں پڑوں

یہ نہ سمجھے میں نہیں ہوں جب بُرا — میرا دشمن کون ہوگا برملا

تو بھلا ہے پر بُرے بھی ہیں یہیں — عاقبت کا خوف جو رکھتے نہیں

جانتے ہیں فرض وہ کرنا بُرا — خویش و بیگانہ ہے ان کو ایک سا

خلق آزاری میں رکھتے ہیں کمال — کینہ ور ہوتے ہیں بچھو کی مثال

کوئی ہو اس سے نہیں بالکل غرض — ڈنک ماریں گے یہ ہے اُن کو مرض

ہے یہی فطرت کا اُن کی اقتضا — ہوتے ہیں مجبور کیا کیجے گلا

ق

گرچہ ہو آقا ترا شاہِ شہاں — باپ سے بھی ہو زیادہ مہرباں

ہے مگر داغِ غلامی پھر بھی عار — کرکے چارہ اس کو دھوائے ہوشیار

اپنے ربّ العالمیں کا رہ غلام — زیبا آقائی کو ہے اسکا ہی نام

(تشریح) موت سے مطلب ہے اس جا پر نیاز — ترکِ عیش و کسرِ نفس و ترکِ آز

خاک میں ملنے سے پہلے خاک ہو — مثلِ مسیحِ پاک ہو

زندہ پھر تجھ کو کرے روحِ قدس — نور سے تجھ کو بھرے روحِ قدس

کب اُگا سکتی ہے ساون کی جھڑی — پتھروں کی پشت پر کھیتی ہری

خاک کے تودے پہ اُسکے فیض سے — غیرتِ فردوس پھولوں سے بنے

ایک عرصہ تو رہا غفلت سے سنگ — خاک بن کر دیکھ کیا آتا ہے رنگ

(۶) اپنے دروازے میں اک مردِ شریف — تھا کھڑا کیا دیکھتا ہے اک ظریف

فربہ لمبا اور متین اور شکیل — بزّ اخفش کی طرح ڈاڑھی طویل

جبّہ لمبا پاؤں تک لٹکا ہوا — تکمے ہیں قبلہ نما لٹکا ہوا

دوڑتا باہر سے آیا ہانپتا — سر سے پا تک خوف سے تھا کانپتا

خشک تھے لب چہرہ اُسکا زرد تھا — جسم اُس کا خوف سے کل سرد تھا

بندھ گئی گھگھی نہ کرسکتا تھا بات — اُس سے پوچھا ہو گئی کیا واردات

آپ کو ہے کس کا ڈر سچ تو کہو — کیا کسی کا خون کرکے آئے ہو

میں نہ خونی ہوں وہ بولا اور نہ چور — پکڑے جاتے ہیں گدھے باہر بزور

گر زباں ہلتی نہ دم بھر کے لیے ۔ دیکھتا میں کیوں بھلا یہ دن بُرے
جب یقیں اُس کو ہوا یہ مر گیا ۔ اور داغی دل کو اُس کے کر گیا
پھینک دی اُس کی نعش پنجرے سے نکال ۔ رنج و غم سے ہو گیا بالکل نڈھال
غم میں بیٹھا رو رہا تھا زار زار ۔ گوہر تر تھے گلے کا اُس کے ہار
ناگہاں طوطے نے لی اک جھُرجھُری ۔ شاخ پر جا بیٹھا دُم ہلنے لگی
اور کہا تاجر سے ای صاحب ذکا ۔ موت کا طوطے کی سمجھا مُدّعا
اُس نے مر کر یہ بتایا تھا مجھے ۔ قید میں ڈالا تجھے اس نطق نے
ہی اگر چھُٹنا زباں کو بند کر ۔ کر عمل تو مصطفیٰ کے قول پر
یعنی وہ جس نے زباں کی اپنی بند ۔ امن کے گنبد میں ہی وہ ہوشمند
کھایا دھوکا تو نے اُس مکّار سے ۔ مر کے اُس نے یہ بتایا تھا مجھے
دور کر دے زندگی کے بار کو ۔ کر بہانہ موت کا آزاد ہو
الوداع ای محسنِ والا نژاد ۔ سب ترے احسان ہیں بندے کو یاد
کر سلام اب آخری میرا قبول ۔ جائیو میری وفاؤں کو نہ بھول
یاد رکھنا یہ وصیّت اک مری ۔ ہی اگر درکار اپنی بہتری
ہر طرح کا تجھ پہ ہی گر فضلِ رب ۔ ایک آزادی نہیں ہی ہیچ سب
بھیج لعنت چین اور آرام پر ۔ گر نہیں آزاد تو ای بے خبر
گو گلے میں ہو ترے زرّیں طوق ۔ چھوڑ پر ہرگز نہ آزادی کا شوق

تیرے ای ظالم عجب نیرنگ ہیں　　تیرے کرتوتوں سے سب ہی دنگ ہیں
رستموں کو پل میں کر لیتی ہی زیر　　اور روبہ کو بنا دیتی ہی شیر
تیرے بائیں ہاتھ کا کرتب ہی جنگ　　دل اقارب کے بناتی ہی تو سنگ
تیغ سے بھی کاٹ تیری تیز ہی　　اور انی سے طعن درد انگیز ہی
سینے میں بھر آتا ہی زخم سناں　　پر کبھی بھرتا نہیں زخم زباں
کرکے تاجر وہ سفر اپنا تمام　　واپس آیا اپنے گھر پر شاد کام
جس نے جو کچھ تحفہ تھا لکھوا دیا　　اُس کو دے کر بوجھ سے ہلکا ہوا
بول اُٹّھا طوطیِ شیریں زباں　　حضرتِ من تحفہ میرا ہی کہاں؟
منتظر کو اب بتا دیجے شتاب　　بھائیوں نے کیا دیا اُس کو جواب
میں ہوں خود شرمندہ تاجر نے کہا　　کیوں ترا پیغام اُنہیں میں نے دیا
بات میری جب کہ طوطوں نے سُنی　　تھر تھرا کر اک گرا اور جان دی
لیکن اب پچھتائے سے ہوتا ہی کیا　　شست سے جو تیر نکلا وہ گیا
سُن کے طوطا ہائے کہہ کر گر پڑا　　اور ٹھنڈا ہو گیا وہ برف سا
دیکھا آقا نے جو یہ طوطے کا حال　　اُس کے مرنے سے ہوا غمگیں کمال
سر سے پگڑی پھینک کر رونے لگا　　اُس کے ماتم میں کیا محشر بپا
ای مرے طوطے مرے ہم راز یار　　کیوں مجھے چھوڑا جہاں میں خوار و زار
پاس میرے تھا جو تو ای خوش نوا　　آپ کو میں تھا سلیماں جانتا

وہ ہمیشہ کا تمہارا ہم نشیں
حیف تم کو کچھ خبر اُس کی نہیں

آپ تم شاخوں پہ جھولو واہ وا
اور اُس بچھڑے کو بھولو واہ وا

آپ تو سبزے پہ لوٹو شاد شاد
اُس بدنصیبی کی نہ لاؤ دل میں یاد

باغ میں تم سب کا دل ہو باغ باغ
ہجر میں کم بخت وہ ہو داغ داغ

وہ وہاں پنجرے میں یوں تڑپا کرے
اک قیامت آئے دن برپا کرے

کوئی ایسا چارہ بتلا دو اُسے
جیتے جی پھر بھی وہ تم سے مل سکے

آقا اُس کا تھا نہ طبعاً کچھ شریر
بدگمانی کا نہ تھا اُس کا خمیر

تاڑتا ورنہ غرضِ عیّار کی
جان جاتا چال اس مکّار کی

سمجھا وہ یہ شوق کا اظہار ہے
اس کو ہجراں کا فقط آزار ہے

الغرض وہ تاجرِ فرخندہ فال
ہند کے مشرق میں پہنچا کے مال

جس جگہ کا تھا دیا اُس کو نشاں
طوطے گنتی میں ہزاروں تھے وہاں

روک کے اُس جا پہ اسپِ تیز گام
اپنے طوطے کا دیا اُن کو پیام

سُن کے اُس کی بات اک طوطا گرا
ہو کے بسمل ایک لحظے میں مرا

دیکھا جو تاجر نے یہ، حیران رہا
دل میں اپنے ہو کے شرمندہ کہا

اے زباں تو نے کیا مجھ کو خجل
کاٹ ڈالوں تجھ کو یہ کہتا ہے دل

سنگ اور چقماق ہیں تجھ میں بہم
مخزنِ آتش ہے تو کانِ الم

آگ پانی میں لگا دیتی ہے تو
کام اُس پر تیل کا دیتی ہے تو

شہر کے شہر آئیں گے ایسے نظر
ہو گئی ہیں مسجدیں ان کی کھنڈر
خانقاہیں زہد کی خلوت سرا
جو کوئی ان مرشدوں کا ہے گا ساتھ
رکھ نہ ایسے جاہلوں سے کچھ بھی کام
امتِ احمد میں کوئی دوسرا
دل میں جو رکھتے ہیں ضد اسلام سے
کانپتے ہیں خوف سے اب تک عدو
وہ امامِ ہادی اس امر میں
(۴) آئے یثرب میں یہ چند مرد
سب نے فاروقؓ کو کرنے سلام
بولے وہ کرتے نہیں ہم کوئی کار
سن کے یہ فاروقؓ نے اُن سے کہا
مفت خورے کیوں نہیں کہتے کہ ہو
جان کھپاتا ہی کوئی کھاتے ہو تم
میں بتاتا ہوں توکل کیا ہی چیز
ہی توکل اصل میں دہقان کا

شہروں میں ایسے محلے بیشتر
مدرسوں میں بنے ہیں اب گاؤ خر
بن گئی ہیں سیکڑوں بیت الخلا
دین اور دنیا سے دھو بیٹھے گا ہاتھ
تجھ کو ہی فاروقؓ سا کافی امام
آج تک اُس سا نہیں پیدا ہوا
جلتے ہیں اب تک بھی اس کے نام سے
ذکر جب ہوتا ہی اُن کے روبرو
اس طرح تعلیم کرتا ہی ہمیں
تھا توکل میں ہر اک اُن میں سے فرد
آپ نے پوچھا کہ کیا کرتے ہو کام
ہی توکل پر یہاں توکل مدار
یہ بھی کوئی کام ہی تعریف کا
بوجھ اپنا ڈالتے اوروں پہ ہو
اور توکل اس کو بتلاتے ہو تم
کون کرتا ہی توکل ای عزیز
ہی توکل پیشہ وہ مردِ خدا

یہ رضا ہی اور نہ ہی تسلیم یہ — اور نہیں اسلام کی تعلیم یہ
یہ توکّل ہی نہ یہ توحید ہی — زندقہ اور کفر کی تائید ہی
مُنکرِ تقدیر گو اچھا نہیں — ہی عقیدہ اُس کا بد فاسد یقیں
تا بہ مرگ انکار گر قایم رہا — مشرکوں کے مثل پائے گا سزا
مُنکرِ تدبیر ہی بد تر مگر — ہی عقیدہ اُس کا بد بد تر اشر
دو نی ملتی ہی مگر اُس کو سزا — پائے گا اک تو سزا روزِ جزا
رہتا ہی دُنیا میں بھی خستہ خراب — ہی اُسے ہر روز تکلیف اور عذاب
اس قدر تعلیم ہی یہ خوف ناک — لاکھ کے گھر کو بنا دیتی ہی خاک
ہی یہ اس تعلیم کا ادنیٰ ثمر — توڑ ہی دیتی ہی ہمّت کی کمر
جاتی سب رہتی ہی غیرت قوم کی — آکے گھُس جاتی ہی اُس میں مفلسی
آدمی بالطبع ہی کاہل جہول — جلد کر لیتا ہی یہ باتیں قبول

ق

جہل چھا جاتا ہی ساری قوم پر — کاہلی ہوتی ہی غالب اس قدر
خود ہلا سکتے نہیں ہیں دست و پا — کرتے ہیں تقدیر کا ناحق گلا
اہلِ حرفت قوم میں رہتے نہیں — اہلِ صنعت قوم میں رہنے نہیں
چھوڑ جاتے ہیں اُسے علم و کمال — چھوڑ جاتے ہیں اُسے مال و منال
بڑھتے ہیں کثرت سے مُدبِر اور شقی — جڑ اُکھڑ جاتی ہی یوں تہذیب کی
آج جس جا ہی تمدّن کی بہار — کل نظر آتے ہیں واں وحشت کے خار

کیوں یہ پھنستا جال میں صیاد کے
کیوں قفس میں بند ہوتا اس طرح
جھوٹ بولا یہ لو اب سرکار میں
زاغ کا یہ اعتراضِ با دلیل
کی ملامت سب نے ہُدہُد کو وہیں
سچ ہوا ای ہُدہُد یہ کوّے کا کلام
ہی بہت آدابِ شاہی کے خلاف
سر کو ہُدہُد نے جھکا کر عرض کی
قولِ دشمن کا نہ کیجے اعتبار
اِن کی باتوں پر یقیں کیجے نہ آپ
قول میرا جھوٹ ہو گر بال بھر
اعتراض ان کا بظاہر ہی صحیح
گر قضا اندھا کرے کس کی مجال
فائدہ) مسئلہ تقدیر اور تدبیر کا
اک نئے اسلوب سے آساں ہی جو
رہتا ہی ناکام گر عاقل کبھی
یاد اُس کو یہ دلاتا ہی خدا

رونے روتا پھر یہ کیوں بیداد کے
اور ہوتے ہیں پرندے جس طرح
لایقِ تقریر ہی دربار میں
مان سب فوراً گئے بے قال و قیل
کیا ہوا کیا شرم تجھ میں کچھ نہیں
بولا تو نے جھوٹ بے شک لا کلام
بادشہ کے سامنے لاف و گزاف
ای نبی شاہنشہِ جنّ و پری
امتحاں بندے کا لیجے لاکھ بار
تم پہ صدقے ہوں مرے ماں اور باپ
ہاں اُڑا دیجے ابھی تن پر سے سر
پر نہ سوجھا ان کو یہ امرِ صریح
جو دکھائے مجھ کو پھندا اور جال
ہی بہت پیچیدہ اور اُلجھا ہوا
میں بتاتا ہوں ہمہ تن گوش ہو
گو نہیں تدبیر میں کرتا کمی
اک خدا ہی عقل سے تیری جدا

لاکھ مل بیٹھیں زباں کے اجنبی ۔۔۔ دوستی اُن میں نہیں ہوتی کبھی
ہم زبانی سے بہم کھنچتے ہیں دل ۔۔۔ باوجودِ تفرقہ جاتے ہیں مل
ہم زبانوں کا تخالف گر ہو ہم ۔۔۔ دل کو کچھ ہوتی ہے نفرت بیش و کم
مختلف الفاظ خالی صورتیں ۔۔۔ ایسی ہیں پتھر کی جیسی مورتیں
اتفاقاً وہ اگر بیٹھیں بھی پاس ۔۔۔ پھر بھی آپس میں رہیں گی ناشناس
آگے اک اک پیشِ شاہِ خوش خصال ۔۔۔ عرض کرتا جاتا تھا اپنے کمال
نوبتِ ہُدہُد جو آئی یوں کہا ۔۔۔ عرض میری غور سے سنئے شہا
اک ہنر ہے مجھ میں جو کم یاب ہے ۔۔۔ جس کے آگے ہر ہنر بے آب ہے
وہ ہنر یہ ہے کہ اے شاہِ جہاں ۔۔۔ اُڑ کے جاؤں گر بسوئے آسماں
واں سے گر ڈالوں زمیں پر میں نظر ۔۔۔ ذرّہ ذرّہ دیکھتا ہوں سر بسر
ہو اگر آبِ رواں زیرِ زمیں ۔۔۔ تلخ شیریں جان جاتا ہوں میں
یہ بتا دوں ہے کہاں کیا رنگ ہے ۔۔۔ منبع اُس کا خاک ہے یا سنگ ہے
مجھ کو رکھئیے اپنی خدمت میں مدام ۔۔۔ دیکھئے پھر کس قدر آتا ہوں کام
جب سنا کوّے نے ہُدہُد کا کلام ۔۔۔ کوئلہ جل کر ہوا وہ مشک فام
آگے بڑھ کر کی یہ اُس نے التجا ۔۔۔ یا نبی مجھ کو اجازت ہو ذرا
یہ جو کچھ ہُدہُد نے کی لاف و گزاف ۔۔۔ میں دلائل سے اُڑا دیتا ہوں صاف
واقعی یہ دوربیں ہوتا اگر ۔۔۔ کیوں نہ آتا اس کو پھر پھندا نظر

محنت اُس پر کرنی نقشِ آب ہی
ہی چراغِ راہ نا بینا یہ پند
(۳) خادموں سے یہ سلیماں نے کہا
بعد اس کے یہ ہوا حکمِ حضور
ہر پرندہ اُس میں ہو جو کمال
حکم کی تھی دیر طائر سب کے سب
قمری و درّاج طوطے اور مور
شکرہ جُرّہ اور شاہیں اور باز
لال اور پدڑی شتر مرغ اور لوا
فاختہ اور بلبلِ شیریں سخن
لق لق اور جھجھ ٹیٹری اور عقاب
کوئی دلدل کوئی ریگستاں سے
شہر سے کوئی کوئی کہسار سے
الغرض ہر سمت سے آتے گئے
واقعی یہ تھا سلیماں میں کمال
جانتے تھے ہر پرندے کی زباں
ہمزبانی بھی ہی اک الفت کا دام

باد در مُشت اور سیرِ خواب ہی
کر نہ کوشش وہ نہ ہوگی سودمند
جا کے میداں میں کرو خیمہ کھڑا
حاضرِ دربار ہوں سارے طیور
وہ بتائے رکھے پر سچ کا خیال
ہو گئے حاضر بہ صد عجز و ادب
مینا اور سُرخاب ہریل اور چکور
چڑیا اور کویل کبوتر اور قاز
کبک جھانبل اور کرگس اور بیا
ہُدہُد و عنقا ہُما زاغ و زغن
بوم ابابیل اور جغد آئے شتاب
کوئی جنگل اور کوئی میدان سے
کوئی دریا سے کوئی گلزار سے
بار اُس دربار میں پاتے گئے
جانتے تھے طائروں کی بول چال
اس لیئے ہر جانور تھا شادماں
دو دلوں کو جو بناتی ہی غلام

کہہ، وہ کیا ہیں لعل و گوہر بے بہا / تب وہ چڑیا یوں ہوئی نغمہ سرا
پند پہلی ہے مری اے دوربیں / ہو جو اَن ہونی نہ کر اُس کا یقیں
کہہ گئے یہ، فوراً دیں پرواز کی / بیٹھ کر دیوار پر، کہنے لگی
ہو چکی جو بات اُس کا کر نہ ذکر / غم نہ کر اُس کا نہ رکھ کچھ دل میں فکر
پھر شرارت سے کہا کھا کر قسم / ایک موتی تول میں بارہ دِرم
پیٹ میں میرے تھا پنہاں دیر سے / کافی تھا تیری تو پشتوں کے لیے
شے جو قسمت میں نہ ہو آتی نہیں / ہو نصیبے میں اگر جاتی نہیں
سُن کے یہ صیّاد پچھتایا بہت / دل ہی دل میں خونِ دل کھایا بہت
ہائے کہتا تھا مری کیا عقل ہے / جو گنوائی مفت بے اَن مول شے
مجھ پہ اس چڑیا نے کیا جادو کیا / ہائے اس کم بخت نے دھوکا دیا
بولی چڑیا پند کو میری نہ بھول / ہو چکا جو اُس کا غم کرنا فضول
دوسری تھی پند میری یا نہیں / ہو جو ناممکن نہ کر اُس کا یقیں
اتنی بھاری شے بتا اے بوالعجب / پیٹ میں میرے سما سکتی ہے کب
ہو گئے شرمندہ کہا صیّاد نے / سچ ہے بے شک تیسری اب پند دے
دُم ہلائی اور لی اک جُھرجُھری / پھر سے چڑیا اُڑ گئی کہتی ہوئی
دو کے اوپر کیا عمل تو نے کیا / تیسری کس مُنہ سے ہے اب پوچھتا
(نتیجہ) دل میں احمق کے نہ ہوگا کچھ اثر / کر نہ ضائع تو نصیحت سے گہر

پاس والوں کو بھگانے تو لگا　　خوب لایا فرض کو اپنے بجا
اس کے لفظوں پر گیا تیرا خیال　　تو نے نیّت کا نہ کچھ رکھا خیال
ہم کو کچھ پروا نہیں ہی قال کی　　ہی ہمارے پاس پرسش حال کی
دیکھتے ہیں دل کو ہم کہتا ہی کیا　　لفظ ہوں شایستہ یا ہوں نا روا
شیخ ہو یا طفلِ نو آموز ہو　　سوز سے مطلب ہمیں ہی سوز ہو
مُوسیا آداب دانی اور ہی　　سوزِ دل دردِ نہانی اور ہی
(نتیجہ) یاد رکھ یہ ہی حدیثِ معتبر　　پُر معانی گو بظاہر مختصر
نیتّوں پر ہی عمل کا کُل مدار　　ہو عبادت یا کوئی ہو اور کار
(۲) تھا کوئی صیّاد بالکل تنگ حال　　جا کے جنگل میں بچھایا اُس نے جال
پکڑی اک چڑیا تو چڑیا نے کہا　　کر مجھے للہ اے ظالم رہا
مجھ ضعیف و ناتواں کے گوشت سے　　پیٹ تیرا کیا بھرے گا چھوڑ دے
بھیڑ بکری تو نے کھائے سیکڑوں　　مرغ سیخوں پہ چڑھائے سیکڑوں
سیر جب اُن سے نہ تو غافل ہوا　　مجھ کو کھا کے سیر کیا ہوگا بھلا
چھوڑ دے گا گر مجھے میں تین پند　　تجھ کو دوں گی سب کی سب ہیں سود مند
ایک تیرے ہاتھ پر بتلاؤں گی　　دوسری دیوار پر جب جاؤں گی
تیسری شاخِ شجر پر بیٹھ کے　　قول ہوں گے قیمتی اور سب کھرے
جب سُنا صیّاد نے اُس کا بیاں　　تو بٹھا کر ہاتھ پر بولا کہ ہاں

جذبۂ مستی میں وہ فرخندہ کام — کر رہا تھا ایسے شوقیہ کلام

سُن کے موسیٰ نے کہا اے میری جاں — آج تو کس کا بنا ہے میزباں

جس کی خاطر تجھ کو ہے اتنی عزیز — مجھ کو بتلا کون ہے وہ باتمیز

بولا وہ رازق ہے میرا اور ترا — سب کا مالک خالق ہر دوسرا

ہائے موسیٰ نے کہا اے ناصواب — توبہ۔ توبہ کر۔ خدا اور یہ خطاب؟

تیرا مُنہ اور اُس سے یہ بے باکیاں — ہیں ترے دل کی یہ سب ناپاکیاں

کان ہیں اُس کے نہ مُنہ اور ناک ہے — کھانے پینے سے وہ بالکل پاک ہے

پاؤں دبوانے کی حاجت کیا اُسے — دودھ پینے کی ضرورت کیا اُسے

مثل اُس کے یاں نہیں ہے کوئی شے — تو نے جو کچھ کہا سب خبط ہے

قاضی الحاجات اللہ الصمد — ہے ازل سے اور رہے گا تا ابد

اور سب اُس کے سوا محتاج ہیں — کُل فنا ہوں گے جو موجود آج ہیں

سب ہیں بندے ایک ہی معبود ہے — سچ اگر پوچھو وہی موجود ہے

لائقِ انساں ہے جو تو نے کہا — جسم و حاجت کچھ نہیں رکھتا خدا

یوں گوالے نے کہا اے مردِ حق — ہے بجا تیری نصیحت اور سبق

تھی مری طاعت حقیقت میں خطا — کہہ کے یہ صحرا کی جانب چل پڑا

وحی آئی حضرتِ موسیٰ کے پاس — میرے بندے کو کیا تو نے اُداس

اس لیے بھیجا ہے تجھ کو اے حبیب — دُور ہیں جو ہم سے اُن کو کر قریب

حکایاتِ لطیفہ حصۂ سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) ایک دن کا ذکر ہے موسیٰ نبی　　گھر سے نکلے راہ اک جنگل کی لی

راہ میں اُن کو گوالا اک ملا　　سر سے ننگا پا برہنہ تھا کھڑا

دست بستہ باہزاراں درد و تاب　　کر رہا تھا اپنے رب سے یوں خطاب

ایک لحظہ اے خدا مُنہ اپنا کھول　　کر تمنا میری پوری مُنہ سے بول

بیٹھ آکر میرے آگے کر کرم　　ہاتھ تیرے دھوؤں اور چوموں قدم

تجھ کو نہلاؤں کروں تیرا سنگار　　لوں بلائیں تیری چٹ چٹ بار بار

کمبل اک نیچے بچھاؤں نرم نرم　　دودھ بھی تجھ کو پلاؤں گرم گرم

پاؤں میں تیرے دباؤں وقتِ خواب　　مُنہ دھلاؤں صبح کو اُٹھ کر شتاب

قورمہ قلیہ پلاؤ اور پنیر　　کوفتے مکھن ملائی اور کھیر

جو میسر ہے مجھے آگے رکھوں　　خود نوالے میں بنا کے مُنہ میں دوں

نوٹ۔ یہ چودہ حکایتیں عقدِ گوہر مصنفہ جناب خان بہادر پیرزادہ محمد حسین صاحب [illegible] ایم اے جج ہائیکورٹ [illegible] سے لی گئی ہیں ۱۲

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ

ہم بہتر سے بہتر قصے تم کو سناتے ہیں

ع قدر ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی

حکایاتِ لطیفہ

حصہ سوم

جسمیں ایسی دلچسپ، پُر مذاق و پُر لطف حکایتیں اور نقلیں جمع کی گئی ہیں
کہ جن کے پڑھنے سے دل کی کلی کھل جائے، غم غلط ہو اور خاطر ناشاد شاد ہو جائے

مرتبہ
خاکسار بشیر الدین احمد تعلقہ دار
حسب فرمائش مولوی منذر احمد صاحب بی اے خلف الصدق مصنف

مرتبہ اول ایک ہزار (قیمت ایک روپیہ، خرچہ وی پی (۵)) ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۵ء

صدیقی ٹائیٹل و فائن آرٹ لیتھو پریس دہلی میں طبع ہوا